

خیابانِ اردو

معاون درسی کتاب گیارھویں جماعت کے لیے

© NCERT
not to be republished

Blank

© NCERT
not to be republished

خیابانِ اردو

معاون درسی کتاب گیارھویں جماعت کے لیے

विद्यया ऽ मृतमश्नुते



एन सी ई आर टी
NCERT

नیشنल कौन्सल ऑफ ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

Khayaban-e-Urdu (Supplementary Reader in Urdu) for Class XI

ISBN 81-7450-452-4

جملہ حقوق محفوظ

- ناشر کی پہلے سے اجازت حاصل کیے بغیر اس کتاب کے کسی بھی حصے کو دوبارہ چھپ کر یا دوبارہ اشاعت کے ذریعے بازاریافت کے سلسلے میں اس کو محفوظ کرنا یا برقیاتی، الیکٹرانک، فوٹو کاپنگ، ریکارڈنگ کے کسی بھی ذریعے سے اس کی تزیین کرنا منع ہے۔
- اس کتاب کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا جا رہا ہے کہ اسے ناشر کی اجازت کے بغیر، اس شکل کے علاوہ جس میں کہ یہ چھپائی گئی ہے یعنی، اس کی موجودہ جلد ہندی اور سرورق میں تہہ بلی کر کے تجارت کے طور پر نہ تو مستعار دیا جاسکتا ہے، نہ دوبارہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ کرایہ پر دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی تلف کیا جاسکتا ہے۔
- کتاب کے منظر پر جو قیمت درج ہے وہ اس کتاب کی گنج قیمت ہے۔ کوئی بھی نظر ثانی شدہ قیمت چاہے وہ بربر کی ہر کے ذریعے یا چھپی یا کسی اور ذریعے ظاہر کی جائے تو وہ غلط تصور ہوگی اور ناقابل قبول ہوگی۔

این سی ای آر ٹی کے پبلیکیشن ڈویژن کے دفاتر

این سی ای آر ٹی کیپیٹس	
شری اروندو مارگ	
نئی دہلی - 110016	فون 011-26562708
108,100 فٹ روڈ ہوسٹلے کیرے ہیلی	
ایکسٹینشن بناشکری III اسٹیج	
بنگلور - 560085	فون 080-26725740
نوجیون ٹرسٹ بھون	
ڈاک گھر، نوجیون	
احمد آباد - 380014	فون 079-27541446
سی ڈبلیو سی کیپیٹس	
ہستناہل ڈھانگل بس اسٹاپ، پانی ہائی	
کولکٹہ - 700114	فون 033-25530454
سی ڈبلیو سی کامپلیکس	
مالی گاؤں	
کولہائی - 781021	فون 0361-2674869

اشاعتی ٹیم

ہیڈ پبلیکیشن ڈویژن	:	دینیش کمار
چیف ایڈیٹر	:	شوبینا اپل
چیف بزنس منیجر	:	گوتم گانگولی
چیف پروڈکشن آفیسر (انچارج)	:	ارون چکتارا
ایڈیٹر	:	سید پرویز احمد
پروڈکشن اسسٹنٹ	:	پرکاش ویر

سرورق اور آرٹ
خالد بن سہیل

پہلا ایڈیشن

فروری 2006 پھاگن 1927

دیگر طباعت

جنوری 2015 ماگھ 1936

فروری 2016 پھالگن 1937

PD 3H SPA

© نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ، 2006

قیمت : ₹ 85.00

این سی ای آر ٹی واٹر مارک 80 جی ایس ایم کاغذ پر شائع شدہ

سکریٹری، نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ،
شری اروندو مارگ نئی دہلی نے شری ورنداون گرافکس
(پرائیویٹ) لمیٹڈ، E-34، سیکٹر-7، نوینڈا 201301
(یو پی) میں چھپوا کر پبلیکیشن ڈویژن سے شائع کیا۔

پیش لفظ

’قومی درسیات کے خاکے 2005‘ میں سفارش کی گئی ہے کہ بچوں کی اسکول کی زندگی، ان کی باہر کی زندگی سے منسلک ہونی چاہیے۔ یہ اصول کتابی علم کی اُس روایت کی نفی کرتا ہے جس کی وجہ سے آج تک ہمارے نظام میں اسکول، گھر اور سماج کے درمیان خلیج حائل ہے۔ نئے قومی درسیات پر مبنی نصاب اور درسی کتابیں اسی بنیادی خیال پر عمل کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس کوشش میں مختلف مضامین کے درمیان مضبوط حد بندی برقرار رکھنے اور رٹ کر پڑھنے کے طریقہ کار کی حوصلہ شکنی بھی شامل ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ان اقدامات سے قومی تعلیمی پالیسی (1986) میں مذکور تعلیم کے طفل مرکزی نظام کی طرف مزید پیش رفت ہوگی۔

اس کوشش کی کامیابی کا انحصار ان اقدامات پر ہے کہ اسکولوں کے پرنسپل اور اساتذہ بچوں کو اپنے تاثرات خود ظاہر کرنے اور خیالی سرگرمیوں اور سوالوں کے ذریعے سیکھنے کی ان کی ہمت افزائی کریں۔ ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا چاہیے کہ بچوں کو اگر موقع، وقت اور آزادی دی جائے تو وہ بڑوں سے حاصل شدہ معلومات سے وابستہ ہو کر نئی معلومات کی تخلیق کرتے ہیں۔ آموزش کے دوسرے ذرائع اور محل وقوع کو نظر انداز کرنے کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب مجوزہ درسی کتاب کو امتحان کے لیے واحد ذریعہ بنانا ہے۔ بچوں کے اندر تخلیقی صلاحیت اور پیش قدمی کے رجحان کو فروغ دینا اُسی وقت ممکن ہے جب ہم آموزشی عمل میں بچوں کو بحیثیت شرکا تصور کریں اور ان سے اُسی طرح پیش آئیں۔ انھیں محض مقررہ معلومات کا حاصل کنندہ نہ سمجھیں۔

یہ مقاصد اسکول کے معمولات اور طریقہ کار میں معقول تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

روزمرہ نظام الاوقات (Time-Table) میں لچیلاپن اُسی قدر ضروری ہے جس قدر سالانہ کیلنڈر کے نفاذ میں سخت محنت کی، تاکہ تدریس کے لیے مطلوبہ ایام کو حقیقتاً تدریس کے لیے وقف کیا جاسکے۔ تدریس اور اندازِ قدر کے طریقوں سے بھی اس امر کا تعین ہوگا کہ یہ درسی کتاب بچوں کے لیے ذہنی تناؤ اور اکتاہٹ کا ذریعہ بننے کے بجائے ان کی اسکول کی زندگی کو خوش گوار تجربہ بنانے میں کس حد تک موثر ثابت ہوتی ہے۔ نصابی بوجھ کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے نصاب سازوں نے مختلف سطحوں پر معلومات کی تشکیل نو کرنے اور اُسے نیا رخ دینے کی غرض سے بچوں کی نفسیات اور تدریس کے لیے دستیاب وقت پر زیادہ غور و فکر کے ساتھ توجہ دی ہے۔ اس مخلصانہ کوشش کو مزید بہتر بنانے کے لیے یہ درسی کتاب غور و فکر اور حیران کرنے، چھوٹے گروپوں میں بحث و مباحثہ کرنے اور ہاتھ سے انجام دی جانے والی سرگرمیوں کو زیادہ اولیت دیتی ہے۔

این سی ای آر ٹی اس کتاب کے لیے تشکیل دی گئی ”کمیٹی برائے درسی کتاب“ کی مخلصانہ کوششوں کی احسان مند ہے۔ کونسل زبانوں کے مشاورتی گروپ کے چیئرمین پروفیسر نامور سنگھ اور اس کتاب کے خصوصی صلاح کار پروفیسر شمیم حنفی کی شکرگزار ہے۔ اس معاون درسی کتاب کی تیاری میں جن اساتذہ نے حصہ لیا ہم ان کے پرنسپل کے بھی شکرگزار ہیں۔ ہم ان سبھی اداروں اور تنظیموں کے بھی احسان مند ہیں جنہوں نے اپنے وسائل، مواد اور عملے کی فراہمی میں فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ باضابطہ اصلاح اور اپنی اشاعت کے معیار کو مسلسل بہتر بنانے کے لیے پابند ایک تنظیم کے طور پر این سی ای آر ٹی، مشوروں اور آرا کا خیر مقدم کرتی ہے تاکہ کتاب پر مزید نظر ثانی اور اس کی اصلاح کی جاسکے۔

ڈائریکٹر

نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ

نئی دہلی

دسمبر 2005

اس کتاب کے بارے میں

معاون درسی کتاب (سپلیمنٹری ریڈر) کے بارے میں ایک عام تاثر یہ ہے کہ اس کتاب کو تفصیلی مطالعے کے لیے مروجہ کتابوں کی بہ نسبت زیادہ سہل ہونا چاہیے۔ اس کا ایک مقصد طالب علم کے ادبی مذاق و مزاج میں اضافہ کرنا بھی ہے اور ایک طرح کی جمالیاتی تربیت بھی۔

اردو کی ادبی تاریخ تقریباً چار صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ نثر و نظم کا جو سرمایہ اردو میں سامنے آیا ہے، ظاہر ہے کہ اس پورے سرمائے سے طالب علم کی سرسری واقفیت بھی آسان نہیں ہے۔ زبان و ادب کی تاریخ کے مطالعے سے بے شک اسے اپنی روایت کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ لیکن جب تک نثر و نظم کے نمائندہ متن سے اس کی شناسائی نہ ہو، اپنی روایت کے اوصاف و عناصر سے اس کی آگہی بہت محدود رہے گی۔ اس صورت حال میں ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ گیارھویں جماعت کی معاون درسی کتاب شاعری کے لیے اور بارھویں جماعت کی معاون درسی کتاب نثر کے لیے مختص کر دی جائے۔ لہذا زیر نظر کتاب ”خیابانِ اردو“ گیارھویں جماعت کے طلباء میں اردو شاعری کی بعض نمائندہ خصوصیات کا شعور عام کرنے کی غرض سے مرتب کی گئی ہے۔ اس کتاب میں شعری اصناف کے کچھ ایسے نمونے یکجا کیے گئے ہیں جن سے ہمارے طلباء معاون درسی کتاب کے مطالعے کے بغیر متعارف نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ نمونے اپنی ہیئت اور مواد کے اعتبار سے خاصے دل چسپ ہیں اور طلباء انھیں استاد کی مدد کے بغیر بھی کسی نہ کسی حد تک پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں۔

کمیٹی برائے معاون درسی کتاب

چیرمین، مشاورتی کمیٹی برائے زبان

نامور سنگھ، پروفیسر ایمرٹس، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

خصوصی صلاح کار

شیمم خن، پروفیسر ایمرٹس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

چیف کوآرڈینیٹر

رام چند شرمہ، سابق پروفیسر اور ہیڈ، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن اینڈ لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی

اراکین

اسلم پرویز ریٹائرڈ ایسوسی ایٹ پروفیسر، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

شمس الحق عثمانی سابق پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

شہپر رسول پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

احمد محفوظ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

عبدالرشید اسٹنٹ پروفیسر، اردو خط کتابت کورس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

محمد علیم الدین سابق پی جی ٹی اردو، اینگلو عربک سینئر سیکنڈری اسکول، اجیری گیٹ، دہلی

شامہ بلال پی جی ٹی اردو، جامعہ سینئر سیکنڈری اسکول، نئی دہلی

عارف عثمانی سابق پی جی ٹی اردو، اینگلو عربک سینئر سیکنڈری اسکول، اجیری گیٹ، دہلی

ٹی جی ٹی اردو، گورنمنٹ بوائز مڈل اسکول، اجیری گیٹ، دہلی	محمد نفیس حسن
ٹی جی ٹی اردو، جامعہ مڈل اسکول، نئی دہلی	ماہ طلعت علوی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سینٹ اسٹیفنس کالج، دہلی	شمیم احمد
پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی	محمد معظم الدین
پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی	دیوان حنان خاں
ایسوسی ایٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی	چمن آراخان
ریٹائرڈ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف ایجوکیشن ان لینگویجز، این سی ای آر ٹی، نئی دہلی	ممبر کوآرڈینیٹر محمد نعمان خاں

اظہارِ تشکر

اس کتاب میں سرور جہان آبادی، سردار جعفری اور اختر الایمان کی نظمیں، عظمت اللہ خاں، شاد عارفی، اختر شیرانی، میراجی، احسان دانش اور سلام مچھلی شہری کے گیت، امتیاز الدین خاں کے ذریعے بھر تری ہری کے شلوکوں کا منظوم ترجمہ اور حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام کا اقتباس شامل ہیں۔ کونسل ان سبھی کے وارثین کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

کتاب کی تیاری میں کا پی ایڈیٹرز ارشاد نیئر، عبدالرشید اعظمی، پروف ریڈر جمال احمد، ڈی۔ ٹی۔ پی آپریٹرز محمد وزیر عالم، نرگس اسلام، معراج احمد، افضل حسین اور کمپیوٹر اسٹیشن انچارج پرش رام کوشک نے پوری دلچسپی اور لگن سے حصہ لیا ہے۔ کونسل ان سب کی شکر گزار ہے۔

ترتیب

v	پیش لفظ
vii	اس کتاب کے بارے میں
1	نظم
3	نظیر اکبر آبادی
4	آدمی نامہ
7	روٹیاں
9	اسمعیل میرٹھی
10	آبِ زلال
13	سرور جہان آبادی
14	مادرِ وطن
16	علی سردار جعفری
17	اُردو
19	اختر الایمان
20	ایک لڑکا

گیت

24

محمد عظمٰ اللہ خاں

25

26

پیارا پیارا گھرا پنا

28

شاد عارفی

29

رخصت ہوئی سہیلی

32

اختر شیرانی

33

روگ کا راگ

35

میراجی

36

اک بستی جانی پہچانی.....

38

جیون ایک مداری پیارے.....

40

یوں ہی جوت جلے گی، مورکھ

42

تنہا، سب سے دور، اکیلی

44

احسان دانش

45

پریت ہے من کا روگ

47

سلام مچھلی شہری

48

گیتوں کے ہر واگوندھوں گی

	منظوم ترجمہ (شلوک)
50	بھرتری ہری (مترجم امتیاز الدین خاں)
	منظوم ڈراما (غنائیہ)
57	امانت لکھنوی
58	اندرسبھا (تلخیص)
71	طویل نظم (شاہنامہ اسلام)
72	حفیظ جالندھری
73	صحرا کی دُعا

نظم

نظم کے معنی ”انتظام، ترتیب یا آرائش“ کے ہیں۔ عام اور وسیع مفہوم میں یہ لفظ نثر کے مدِّ مقابل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد پوری شاعری ہوتی ہے۔ اس میں وہ تمام اصناف اور اسالیب شامل ہوتے ہیں جو ہیئت کے اعتبار سے نثر نہیں ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں غزل کے علاوہ تمام اصناف میں کی جانے والی شاعری کو ”نظم“ کہتے ہیں۔

عام خیال یہ ہے کہ نظم کا ایک مرکزی خیال ہوتا ہے جس کے گرد پوری نظم کا تانا بانا جاتا ہے۔ خیال کے تدریجی ارتقا کو بھی نظم کی ایک خصوصیت کہا گیا ہے۔ طویل نظموں میں یہ ارتقا واضح ہوتا ہے۔ جب کہ مختصر نظموں میں یہ ارتقا واضح نہیں ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر ایک تاثر کی شکل میں ابھرتا ہے۔

نظم کے لیے نہ تو ہیئت کی کوئی قید ہے اور نہ موضوعات کی۔ چنانچہ اردو میں غزل اور مثنوی کی ہیئت میں، مختلف قسم کے بندوں پر مشتمل نظمیں اور آزاد و معرّاض نظمیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اس طرح کوئی بھی موضوع نظم کا موضوع ہو سکتا ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے نظم کی چار قسمیں ہو سکتی ہیں:

1. پابند نظم

ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترکیب میں مقررہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہو، پابند نظم کہلاتی ہے۔ نئے انداز کی ایسی نظمیں بھی، جن کے بندوں کی ساخت مروجہ ہیئتوں سے مختلف ہو یا جن کے مصرعوں میں قافیوں کی ترتیب مروجہ اصولوں کے مطابق نہ ہو، لیکن ان

کے تمام مصرعے برابر ہوں اور ان میں قافیے کا کوئی نہ کوئی التزام ضرور پایا جائے، پابند نظم کہلاتی ہے۔

2. نظم معرّۃ

ایسی نظم جس کے تمام مصرعے برابر ہوں مگر ان میں قافیے کی پابندی نہ ہو، نظم معرّۃ کہلاتی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے نظم عاری بھی کہا ہے۔ آج کل اسے نظم معرّۃ ہی کہا جاتا ہے۔

3. آزاد نظم

ایسی نظم جس میں قافیے اور ردیف کی پابندی نہیں ہوتی اور اس کے ارکان بحر کم یا زیادہ ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کے مصرعے چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں، آزاد نظم کہلاتی ہے۔

4. نثری نظم

نثری نظم چھوٹی بڑی نثری سطروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں نہ تو ردیف اور قافیے کی پابندی ہوتی ہے اور نہ ہی بحر اور وزن کی۔

نظیر اکبر آبادی

(1740 — 1830)

ولی محمد نام، نظیر تخلص تھا۔ دلی میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں آگرہ چلے گئے۔ وہاں معلیٰ کے فرائض انجام دیے اور ساری عمر آگرے میں گزاری۔ نظیر نے مختلف شعری اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن وہ نظم گو شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ نظیر اکبر آبادی کا مشاہدہ وسیع تھا۔ انھوں نے زندگی کے تقریباً ہر پہلو کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ ہندوستان کے رسم و رواج، میلوں، ٹھیلوں، تفریحات و مشاغل پر جتنی نظمیں نظیر نے کہی ہیں، شاید کسی اور شاعر نے نہیں کہیں۔ نظیر کو زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی۔ اُن کی زبان انتہائی صاف، سہل اور سادہ ہے اور وہ اُردو کے عوامی شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

آدمی نامہ

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار و بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ابدال و قطب و غوث و ولی آدمی ہوئے منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا شہزاد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و فتح میں ہے یاں ظہور شیطان بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکرو زور
اور ہادی و رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی
مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں بننے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں اور آدمی ہی اُن کی پڑاتے ہیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
 پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ہے آدمی چلا کے آدمی کو پُکارے ہے آدمی
 اور سُن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
 یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
 اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
 تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں جلا کے واہ
 اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
 ہتھ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار کاندھے پہ رکھ کے پاکی ہیں آدمی کہار
 اور اُس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا
 اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا کس کس طرح سے پیچیں ہیں چیزیں بنا بنا
 اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل جواہر ہے بے بہا اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
 کالا بھی آدمی ہے کہ اُلٹا ہے جوں تو اگورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
 بد شکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کے یہ کچھ زرق برق ہیں روپے کے اُن کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
 جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں کنخواب، تاش، شال، دوشالوں میں غرق ہیں
 اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار نہلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
 کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
 اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
 اشراف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر ہیں آدمی ہی صاحبِ عزت بھی اور حقیر
 یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
 اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

(نظیر اکبر آبادی)

سوالات

1. اس نظم کا ہر بند پانچ مصرعوں پر مشتمل ہے، ایسی نظم کو کیا کہتے ہیں؟
2. اس نظم میں آدمی کے جتنے روپ بیان کیے گئے ہیں ان میں سے دو دوایسے روپ بیان کیجیے جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔
3. نظم میں کن لوگوں کے خدائی کا دعویٰ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے؟ نام لکھیے۔
4. شیطان کا شیطان فرشتے کا فرشتہ
 انسان کی یہ بولچھی یاد رہے گی
 یگانہ کے اس شعر کو سامنے رکھتے ہوئے 'آدمی' نامہ پر مختصر نوٹ لکھیے۔

روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا کرتا پھرے ہے کیا وہ اُچھل کود جا بجا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اُچھل گیا ٹھٹھا ہنسی شراب صنم ساتی اس سوا
سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں
جس جا پہ ہانڈی چولھا تو اور تنور ہے خالق کی قدرتوں کا اُسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آگ جو جلتی حضور ہے جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں
آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام یا چکی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
یاں سر جھکا کے کیجیے ڈنڈوت اور سلام اس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں
ان روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور آنا نہیں ہے چھانی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اس کا ہے برقی وموتی چور ہر گز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں
پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں
پھر پوچھا اُس نے کہیے یہ ہے دل کا نور کیا اُس کے مشاہدے میں ہے کھلتا ظہور کیا
وہ بولا سن کے تیرا گیا ہے شعور کیا کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا
جتنے ہیں کشف سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو میلے کی سیر، خواہشِ باغ وچمن نہ ہو
 بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو
 اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں
 کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
 باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے
 جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں
 دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے نا دشمنی و دوستی نا تند خوئی ہے
 کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے سب کوئی ہے اُسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے
 نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں
 روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر روکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
 یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر گیہوں کی جوار باجرے کی جیسی ہو نظیر
 ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

(نظیر اکبر آبادی)

سوالات

1. روٹی کے تعلق سے نظم کا پہلا بند دوسرے تمام بندوں سے مختلف ہے، کیوں؟
جواب دیجیے۔
2. نظم کے آخری بند پر چند جملوں میں روشنی ڈالیے۔
3. انسان کی زندگی میں روٹی کیسے کیسے تماشے دکھاتی ہے؟ اس موضوع پر مختصر نوٹ لکھیے۔

اسمعیل میرٹھی

(1844 — 1917)

محمد اسمعیل نام، اسمعیل تخلص تھا، میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ اس دور کے رواج کے مطابق انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر مکمل کی۔ میرٹھ کے ایک عالم، رحیم بیگ سے فارسی زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ انگریزی زبان میں بھی مہارت حاصل کر کے انجینیئرنگ کا کورس پاس کیا۔ قوم کے بچوں کی تعلیم میں دلچسپی کی وجہ سے انھوں نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا۔ اپنے عہد کے اہم شاعروں مثلاً حالی اور شبلی کی طرح مولوی اسمعیل میرٹھی نے بھی اپنی شاعری کو بڑوں اور بچوں دونوں کے لیے تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنایا اور درسی کتابیں بھی لکھیں۔ انھوں نے سادہ اور سلیس زبان میں اردو سکھانے کے ساتھ ان کتابوں میں اخلاقی موضوعات کو اس خوبی سے شامل کیا کہ پڑھنے والے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کے زیور سے بھی آراستہ ہو سکیں۔ اسمعیل میرٹھی نے ایسی کئی نظمیں لکھی ہیں جو صرف بچوں کے لیے ہیں اور ہر عہد میں ان کی معنویت اور افادیت برقرار رہی ہے۔ اسمعیل میرٹھی کا کلام ”کلیاتِ اسمعیل“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

آبِ زُلال

دکھاؤ کچھ طبیعت کی روانی جو دانا ہو تو سمجھو کیا ہے پانی
یہ مل کر دو ہواؤں سے بنا ہے گرہ کھل جائے تو فوراً ہوا ہے
نظر ڈھونڈے مگر کچھ بھی نہ پائے زباں چکھے مزہ ہرگز نہ آئے
ہواؤں میں لگایا خوب پھندا انوکھا ہے تری قدرت کا دھندا
نہیں مشکل اگر تیری رضا ہو ہوا پانی ہو اور پانی ہوا ہو
مزاج اُس کو دیا ہے نرم کیسا جگہ جیسی ملے بن جائے ویسا
نہیں کرتا جگہ کی کچھ شکایت طبیعت میں رسائی ہے نہایت
نہیں کرتا کسی برتن سے کھٹ پٹ ہر اک سانچے میں ڈھل جاتا ہے جھٹ پٹ
نہ ہو صدمے سے ہرگز ریزہ ریزہ نہ ہو زخمی اگر لگ جائے نیزہ
نہ اُس کو تیر سے تلوار سے خوف نہ اُس کو توپ کی بھرمار سے خوف
تواضع سے سدا پستی میں بہنا جفا سہنا مگر ہموار رہنا
نہیں ہے سرکشی سے کچھ سروکار نہ دیکھو گے کبھی تم اُس کا انبار
خزانہ گر بلندی پر نہ ہوتا تو فوارے سے وہ باہر نہ ہوتا
جو ہلکا ہو اُسے سر پر اٹھائے جو بھاری ہو اُسے غوطہ کھلائے
نہ جلتا ہے نہ گلتا ہے نہ سڑتا پانی نہیں ہرگز بگڑتا
کسی عنوان سے ہوگا نہ نابود وہی پانی کا پانی دودھ کا دودھ

پڑے سردی تو بن جاتا ہے پتھر
 کبھی اوپر سے بادل بن کے برسے
 کبھی اولاً کبھی پالا کبھی اوس
 کئی صیغوں میں ہے ایک اصل کی صرف
 اُسی کی چاہ سے کھیتی ہری ہے
 ہر اک ٹہنی میں ہر بوٹی جڑی میں
 غذا ہے جڑ سے کونیل تک چڑھائی
 اُسی کے سر پہ ہے پھولوں کا سہرا
 اُسی سے تازہ دم ہیں سارے حیواں
 یہی تخلیق میں کرتا مدد ہے
 تجارت کا کیا ہے پار بیڑا
 صنعت کے بھی اوزاروں کا حامی
 کہیں جمنا کہیں گنگا کہیں نیل
 نہ میداں تھا نہ پرست تھا نہ بن تھا
 نہ تھا کچھ فرق جل میں اور تھل میں
 اُسی کا دور دورہ تھا زمیں پر
 جو اب دیکھو تو وہ پانی کہاں ہے
 ہر اک حالت ہے چڑھتی اور ڈھلتی
 سبھی کو ہے بڑھاپا اور جوانی
 اُسے خشکی نے پستی میں دھکیلا
 چھپائے مال کو جس طرح کنجوس

لگے گرمی تو اُڑ جائے ہوا پر
 ہوا میں مل کے غائب ہو نظر سے
 ہوا پر چڑھ کے پہنچے سیکڑوں کوس
 گہر ہے بھاپ ہے پانی ہے یا برف
 اُسی کے دم سے دنیا میں تری ہے
 پھلوں میں پھول میں ہر پکھڑی میں
 ہر اک ریشے میں ہے اُس کی رسائی
 پھلوں کا ہے اُسی سے تازہ چہرہ
 اُسی کو پی کے جیتے ہیں سب انساں
 یہی معدے کو پہنچاتا رسد ہے
 عمارت کا بسایا اُس نے کھیرا
 زراعت اس کی مووٹی اسامی
 کہیں ساگر کہیں کھاڑی کہیں جھیل
 یہی پہلے زمیں پر موج زن تھا
 زمیں پوشیدہ تھی اُس کے بغل میں
 نہ بستی تھی نہ ٹاپو تھا کہیں پر
 مگر دنیا میں یکسانی کہاں ہے
 یہاں ہر چیز ہے کروٹ بدلتی
 کوئی شے ہو، ہوا ہو یا ہو پانی
 رہا باقی نہ وہ پانی کا ریلا
 زمیں آہستہ آہستہ گئی چوس

تری کا جب کہ دامن ہو گیا چاک تو خشکی نے اُڑائی جاہ جا خاک
 پہاڑ اُٹھ رہے ہوئے میدان پیدا ہوئے میدان میں نخلستان پیدا
 تری کا گو ابھی پلہ ہے بھاری لڑائی ہے مگر دونوں میں جاری
 کیا کرتے ہیں دونوں کاٹ اور چھانٹ چلی جاتی ہے باہم لاگ اور ڈانٹ
 تری ہر دم چلی جاتی ہے اُتی کبھی خشکی بھی ہے کایا پلٹی
 تری کا تین چوتھائی میں ہے راج تو خشکی ایک چوتھائی میں ہے آج
 نہیں چلتی تری کی سینہ زوری زمیں اک روز رہ جائے گی کوری
 پہن رکھا تھا جب آبی لبادہ مٹاپا بھی زمیں کا تھا زیادہ
 مگر اب دن بہ دن چڑھتی ہے خشکی تری کھتی ہے اور بڑھتی ہے خشکی
 کی بیشی نہیں آتی نظر کچھ
 بہت عمروں میں ہوتا ہے اثر کچھ

(اسماعیل میرٹھی)

سوالات

1. پانی کے سدا بستی میں بننے کی شاعر نے کیا وجہ بیان کی ہے؟
2. پانی کے پتھر بن جانے سے کیا مراد ہے؟
3. جب کہیں بستی اور ٹاپو نہیں تھے تو زمین پر کس کا دور دورہ تھا؟
4. زمین کے تین چوتھائی حصے میں کس کا راج ہے؟
5. شاعر نے ”آبِ زلال“ کی کیا خوبیاں بیان کی ہیں؟

سرور جہان آبادی

(1910-1873)

درگاہائے سرور، جہان آباد، ضلع پیلی بھیت کے رہنے والے تھے۔ سرور کے والد منشی پیارے لال طبابت کرتے تھے۔ گھر میں فارسی اور اردو کا چرچا تھا۔ لڑکپن ہی سے شعر و سخن کی طرف مائل ہو گئے۔ ’ادیب‘ اور ’مخزن‘ میں ان کا کلام نمایاں طور پر شائع ہوتا تھا۔ عین جوانی میں بیوی کا انتقال ہو گیا۔ ایک سال کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ بھی داغ مفارقت دے گیا۔ ان صدمات کا ان کے دل و دماغ پر شدید اثر ہوا۔ ہر وقت غم زدہ رہنے لگے۔ بالآخر سینتیس سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سرور جہان آبادی اٹھتے بیٹھتے شاعری میں مگن رہتے تھے۔ انھوں نے اگرچہ غزلیں بھی کہی ہیں، لیکن نظم گو کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ سچے وطن پرست تھے، وطنی اور قومی موضوعات پر ڈوب کر لکھا ہے۔ ان کے یہاں ہندوستان کی مٹی اور ماحول کا گہرا احساس ہے۔ ان کی شعری فضا میں گزگا، جمنہ، کوئل، بھونرا، پدمنی، دمیٹی، ہنس وغیرہ کے ذکر سے خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ وہ وطن کا تصور ماں کی حیثیت سے کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ایک تو ہندوستانی بوباس اور وطن سے محبت کی کیفیت ہے، دوسرے غم ناک کا احساس ہے جو گہری دردمندی میں ڈھل جاتا ہے۔ انھوں نے حسنِ فطرت پر بھی بہت اچھی نظمیں لکھی ہیں۔ ”جام سرور“ اور ”نغم خانہ سرور“ ان کی شاعری کے مجموعے ہیں۔

مادرِ وطن

واہ! یہ جاں بخش پانی، یہ ہوائے خوش گوار
 ٹھنڈی ٹھنڈی عطر میں ڈوبی ہوئی بادِ جنوب
 ظِلِّ شفقت ہو ترا اے مادرِ مُشفق دراز
 اُف! یہ تیری چاندنی راتوں کے منظرِ خوش نما
 سو تبسم تیرے اندازِ تکلم پر نثار
 سرزمینِ عیش ہے اے مادرِ دل سوز تو
 تو جوانوں کی ہے ہمت، تو دلیروں کی سپر
 نورِ دانش تو، فروغِ جلوہ ایماں ہے تو
 قوتِ بازو ہے میری، مادرِ غم خوار تو
 تیرا دیواستھان دیوی دل کے کاشانے میں ہے
 سرسوتی کا روپ ہے، دُرگا کا ہے اوتار تو
 واہ یہ سُندر چھب تری، یہ سانولی صورت تری
 یہ تبسم ہائے شیریں، یہ ادائے دل نواز
 سبزہ خود رو کا گہوارہ ہے تیری سرزمین
 پاک گنگا جل سے ہے بڑھ کر ترا آبِ طہور
 آسماں کے نور کی ہے جلوہ گاہِ ناز تو

(سرور جہان آبادی)

سوالات

1. نظم کے پہلے بند میں شاعر وطن کی کن کن چیزوں کی تعریف کر رہا ہے؟
2. مادِ وطن کو آرزوؤں کی بزمِ انبساط کیوں کہا گیا ہے؟
3. مادِ وطن کو قوتِ بازو اور غمِ خوار کہنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
4. شاعر کو وطن کا جلوہ کہاں کہاں نظر آتا ہے؟
5. نظم کے آخری بند کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیے۔

علی سردار جعفری

(1913 — 2000)

سید علی سردار جعفری بلرام پور، ضلع گونڈہ، اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ، دہلی اور علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی ترقی پسند تحریک میں شامل ہو گئے۔ لکھنؤ سے ایک رسالہ 'نیا ادب' نکالا۔ ممبئی میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

سردار جعفری کی شاعری میں سیاسی، قومی شعور، قوت اور توانائی، اُمنگ اور عوامی مسائل کی عکاسی ملتی ہے اور انسان دوستی کے جذبات بھی نمایاں ہیں۔ انھوں نے ظلم اور نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائی۔ طبقاتی کشمکش ان کی نظموں کا خاص موضوع ہے۔ 'نئی دنیا کو سلام'، 'خون کی لکیر'، 'ایشیا جاگ اٹھا'، 'امن کا ستارہ'، 'پتھر کی دیوار' اور 'ایک خواب اور' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ نثر میں بھی ان کی کئی کتابیں ہیں۔ ان میں 'ترقی پسند ادب'، 'لکھنؤ کی پانچ راتیں' اور 'پیغمبرانِ سخن' معروف ہیں۔

سردار جعفری کی نظم 'اردو' بہت سے اردو اداروں میں ترانے کے طور پر گائی جاتی ہے۔ اس نظم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں اپنے وطن کی سرزمین سے اردو کے رشتے کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اردو کے لسانی ماحول اور اردو کلچر کی وسیع المشر بنی اور رواداری کے عناصر کی نشاندہی بہت خوبصورتی کے ساتھ کی گئی ہے۔ اردو نے ہندوستان کے موسموں، مناظر، تاریخی روایات اور ہندوستان کے صوفیوں سنتوں کی بانی سے ہمیشہ فیض اٹھایا ہے۔ سردار جعفری کی یہ نظم اس پورے تجربے کا احاطہ بھی بہت دل آویز انداز میں کرتی ہے۔

اُردو

ہماری پیاری زبان اردو
ہمارے نغموں کی جان اردو
حسین دل کش جوان اردو
زبان وہ، دھل کے جس کو لنگا کے جل سے پاکیزگی ملی ہے
اودھ کی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے جس کے دل کی کلی کھلی ہے
جوشعر و نغمہ کے خلد زاروں میں آج کوئل سی کوکتی ہے
اسی زباں میں ہمارے بچپن نے ماؤں سے لوریاں سنی ہیں
جوان ہو کر اسی زباں میں کہانیاں عشق کی کہی ہیں
اسی زباں کے چمکتے ہیروں سے علم کی جھولیاں بھری ہیں
اسی زباں سے وطن کے ہونٹوں نے نعرۂ انقلاب^۱ پایا
اسی سے انگریز حکمرانوں نے خود سری کا جواب پایا
اسی سے میری جواں تمنا نے شاعری کا رباب پایا
یہ اپنے نعمات پر اثر سے دلوں کو بیدار کر چکی ہے
یہ اپنے نعروں کی فوج سے دشمنوں پہ یلغار کر چکی ہے

۱۔ تحریک آزادی کا سب سے مشہور نعرہ ”انقلاب زندہ باؤ“ اردو زبان ہی کی دین ہے۔

ستم گروں کی ستم گری پر ہزار ہا وار کر چکی ہے
یہ وہ زباں ہے کہ جس نے زنداں کی تہرگی میں دیے جلانے
یہ وہ زباں ہے کہ جس کے شعلوں سے جل گئے پھانسیوں کے سائے
فرازِ دارو رسن سے بھی ہم نے سرفروشی کے گیت گائے

چلے ہیں گنگ وِجمن کی وادی میں ہم ہوائے بہار بن کر
ہمالیہ سے اتر رہے ہیں ترانہ آبخار بن کر
رواں ہیں ہندوستان کی رگ رگ میں خون کی سُرخ دھار بن کر

ہماری پیاری زبانِ اردو
ہمارے نغموں کی جانِ اردو
حسین دل کش جوانِ اردو

(علی سردار جعفری)

سوالات

1. پہلے بند میں شاعر نے اردو کے ساتھ اپنے عشق کا اظہار کس طرح کیا ہے؟
2. بچپن، جوانی اور علم و آگہی کی منزلوں میں اردو کس کس طرح ہمارے ساتھ رہی ہے؟
3. تحریکِ آزادی میں اردو کا کیا رول رہا ہے؟
4. ہندوستان کی زینت ہندوستانیوں سے ہے۔ اس حقیقت کا اظہار شاعر نے نظم کے تین مصرعوں میں کیا ہے، وہ تین مصرعے کون سے ہیں؟

اختر الایمان

(1915 — 1995)

اختر الایمان، نجیب آباد، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ مدت تک وہ دہلی کالج میں زیر تعلیم رہے اور دہلی یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ شروع میں محکمہ سول سپلائی میں کام کیا، کچھ مدت تک آل انڈیا ریڈیو میں رہے۔ اس کے بعد ممبئی جا کر فلموں سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی نظموں کے چھ مجموعے ’گرداب‘ (1943)، ’تاریک سیارہ‘ (1946)، ایک منظوم تمثیل ’سب رنگ‘ (1948)، ’آبِ جو‘ (1959)، ’یادیں‘ (1961)، ’ہنرِ لحات‘ (1969)، ’نیا آہنگ‘ (1977) شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا کلیات ’سروساماں‘ (1984) میں منظر عام پر آیا۔ ان کی خودنوشت کا نام ’اس آباد خرابے میں‘ ہے۔ چوتھے مجموعے ’یادیں‘ پر (1962) میں انھیں ساہتیہ اکادمی ایوارڈ دیا گیا۔ اقبال اعزاز کے علاوہ متعدد صوبائی اکادمیوں نے بھی انھیں اعزازات اور انعامات سے نوازا۔

اختر الایمان کی نظموں میں ایک فلسفیانہ تجسس کی کیفیت ملتی ہے۔ نظم نگاری میں انھوں نے اپنی راہ الگ بنائی ہے۔ نیکی اور بدی کی کش مکش، وقت کی اہمیت، خواب اور حقیقت کا تصادم اور انسانی رشتوں کی دھوپ چھاؤں اُن کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ وہ براہِ راست انداز کے بجائے رمزیہ انداز کے شاعر ہیں۔ ان کے یہاں خودکلامی اور مکالمی کی کیفیت ملتی ہے۔ اختر الایمان اردو نظم کے ممتاز شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

ایک لڑکا

دیارِ شرق کی آبادیوں کے اونچے ٹیلوں پر
کبھی آموں کے باغوں میں، کبھی کھیتوں کی مینڈوں پر
کبھی جھیلوں کے پانی میں، کبھی بستی کی گلیوں میں
کبھی کچھ نیم عریاں کم سنوں کی رنگ رلیوں میں
سحر دم جھٹپٹے کے وقت، راتوں کے اندھیرے میں
کبھی میلوں میں، نائٹ ٹولیوں میں، ان کے ڈیرے میں
تعاقب میں کبھی گم تتلیوں کے، سؤنی راہوں میں
کبھی تھے پرندوں کی نہفتہ خواب گاہوں میں
برہنہ پاؤں، جلتی ریت، تنخ بستہ ہواؤں میں
کبھی ہم سن حسینوں میں بہت خوش کام و دل رفتہ
کبھی پیچاں بگولا ساں، کبھی جیوں چشمِ خوں بستہ
ہوا میں تیرتا، خوابوں میں بادل کی طرح اڑتا
پرندوں کی طرح شاخوں میں چھپ کر جھولتا، مڑتا
مجھے اک لڑکا آوارہ منش آزاد سیلانی
مجھے اک لڑکا، جیسے تند چشموں کا رواں پانی
نظر آتا ہے یوں لگتا ہے جیسے یہ بلائے جاں
مرا ہم زاد ہے، ہر گام پر ہر موڑ پر بجولاں

اسے ہمراہ پاتا ہوں، یہ سائے کی طرح میرا
تعاقب کر رہا ہے، جیسے میں مفرور ملزم ہوں
یہ مجھ سے پوچھتا ہے: اخترا لایمان تم ہی ہو؟

خدائے عزوجل کی نعمتوں کا معترف ہوں میں
مجھے اقرار ہے، اس نے زمیں کو ایسے پھیلایا
کہ جیسے بستر کخواب ہو، دیبا و مخمل ہو
مجھے اقرار ہے، یہ خیمہ افلاک کا سایا
اسی کی بخشش میں، اس نے سورج چاند تاروں کو
فضاؤں میں سنوارا اک حد فاصل مقرر کی
چٹانیں چیر کر دریا نکالے، خاک اسفل سے
مری تخلیق کی، مجھ کو جہاں کی پاسبانی دی
سمندر، موتیوں مؤنگوں سے، کانیں لعل و گوہر سے
ہوائیں مست کن خوشبوؤں سے معمور کردی ہیں
وہ حاکم قادر مطلق ہے، کیلتا اور دانا ہے
اندھیرے کو اجالے سے جدا کرتا ہے، خود کو میں
اگر پہچانتا ہوں، اس کی رحمت اور سخاوت ہے
اسی نے خسروی دی ہے لئیوں کو، مجھے کبکبت
اسی نے یادہ گویوں کو مرا خازن بنایا ہے
تو نگر، ہرزہ کاروں کو کیا، درپوزہ گر مجھ کو
مگر جب کسی کے سامنے دامن پسارا ہے
یہ لڑکا پوچھتا ہے: اخترا لایمان تم ہی ہو؟

معیشت دوسروں کے ہاتھ میں ہے، میرے قبضے میں
 جز اک ذہن رسا کچھ بھی نہیں، پھر بھی مگر مجھ کو
 خروشِ عمر کے اتمام تک اک بوجھ اٹھانا ہے
 عناصر منتشر ہو جانے، نبضیں ڈوب جانے تک
 نوائے صبح ہو یا نالہ شب، کچھ بھی گانا ہے
 ظفر مندوں کے آگے رزق کی تحصیل کی خاطر
 کبھی اپنا ہی نغمہ ان کا کہہ کر مسکرانا ہے
 وہ خامہ سوزی شب بیداریوں کا جو نتیجہ ہے
 اسے اک کھوٹے سیکے کی طرح سب کو دکھانا ہے
 کبھی جب سوچتا ہوں اپنے بارے میں تو کہتا ہوں
 کہ تو اک آبلہ ہے، جس کو آخر پھوٹ جانا ہے
 غرض گرداں ہوں بادِ صبح گا ہی کی طرح لیکن
 سحر کی آرزو میں شب کا دامن تھامتا ہوں جب
 یہ لڑکا پوچھتا ہے: اخترا لایمان تم ہی ہو؟

یہ لڑکا پوچھتا ہے جب، تو میں جھلا کے کہتا ہوں
 وہ آشفۃ مزاج، اندوہ پرور، اضطراب آسا
 جسے تم پوچھتے رہتے ہو، کب کا مر چکا ظالم
 اسے خود اپنے ہاتھوں سے کفن دے کر فریبوں کا
 اسی کی آرزوؤں کی لحد میں پھینک آیا ہوں
 میں اس لڑکے سے کہتا ہوں: وہ شعلہ مر چکا جس نے

کبھی چاہا تھا اک خاشاک عالم پھونک ڈالے گا
یہ لڑکا مسکراتا ہے، یہ آہستہ سے کہتا ہے:
یہ کذب و افترا ہے، جھوٹ ہے، دیکھو میں زندہ ہوں

(اختر الایمان)

سوالات

1. لڑکا جب شہری زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس میں کیا تبدیلی آجاتی ہے؟
2. شہری لڑکا خدا کی کن نعمتوں کا اعتراف کر رہا ہے؟
3. رزق کی تحصیل کی خاطر لڑکا کیا کرتا ہے؟
4. اس نظم میں شاعر نے اپنی کس کشمکش کا اظہار کیا ہے؟

گیت

جو نظمیں اکیلے یا کئی لوگوں کے ساتھ گانے کے لیے لکھی یا بنائی جائیں اور جن کی زبان سادہ ہو اور جن میں روزمرہ کی مقامی زندگی کا ذکر ہو انہیں گیت کہا جاتا ہے۔ گیت کے موضوعات بہت سے ہو سکتے ہیں۔ ہمارے گیتوں کا تعلق موسموں، فصلوں اور مختلف رسموں سے ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کے گیت بہت مقبول ہیں۔ زبان اور آہنگ کے اعتبار سے گیت میں دل کے تاروں کو چھو لینے والی کیفیت ہوتی ہے اور اس کے بول عام طور پر بہت سادہ ہوتے ہیں۔ گیت صرف لکھے اور پڑھے ہی نہیں جاتے رہے ہیں بلکہ وہ سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل بھی ہوتے رہے ہیں۔ گیت کی فضا رومان پرور ہوتی ہے اور گیت کی یہ ترنگ ایسے تمام موضوعات میں برقرار رہتی ہے جن کا وہ احاطہ کرتا ہے۔ موسموں کے رنگ، پیار کی ترنگ، زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں، الجھنیں اور معاشرے کے مختلف روپ، یہ تمام چیزیں مل کر گیت کی ست رنگی دھنک بناتے ہیں۔ گیت شاید شاعری کی وہ واحد صنف ہے جس کو پڑھنے یا سمجھنے کے لیے لغت کی ضرورت کم سے کم پڑتی ہے۔

دوسری زبانوں کی طرح اردو میں بھی ایسے بے شمار گیت ہیں جو زبان زد عام ہیں اور جن کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لکھنے والے کون تھے۔ تاہم ایک صنف شاعری کے طور پر اردو میں باقاعدہ گیت نگاری کی بھی ایک تاریخ رہی ہے۔ اردو کے گیت نگاروں میں عظمت اللہ خاں، حفیظ جالندھری، آغا حشر، بہزاد لکھنوی، آرزو لکھنوی، اختر شیرانی، شاد عارفی، احسان دانش، میراجی، مخدوم، سلام مچھلی شہری، راجہ مہدی علی خاں، مختار صدیقی، قتیل شفائی، عبد الحمید عدم، جمیل الدین عالی، عمیق حنفی، ندافاضلی اور زبیر رضوی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

محمد عظمت اللہ خاں

(1887—1940)

محمد عظمت اللہ خاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان دہلی کے ممتاز گھرانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ ان کے ننھیالی بزرگ شاہان مغلیہ کے خاص مقررین میں تھے۔ اس بنا پر انھیں ”خان“ کا خاندانی خطاب عطا ہوا تھا۔ وہ ایک ذہین اور ہونہار طالب علم تھے۔ فلسفہ، نفسیات اور سیاسیات ان کی دلچسپی کے خاص مضمون تھے۔ انھیں اردو کے ساتھ ساتھ، انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کی نثر دہلی کی ٹھیٹھ اردو میں ہوتی تھی لیکن شاعری میں انھوں نے اپنی الگ ہی راہ نکالی۔ شاعری میں بھی گیت انھیں زیادہ پسند تھے۔ ان کی شاعری کی ایک خصوصیت اس کا سریلاین ہے۔ انھوں نے اپنے گیتوں اور نظموں کے مجموعے کا نام بھی ”سریلے بول“ ہی رکھا۔ دہلی کے زمانہ قیام میں انھوں نے باقاعدہ ہندی بھی سیکھی تھی اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کچھ دن سنسکرت کے ایک پنڈت کی صحبت سے بھی فیض حاصل کیا۔ اردو میں ہندی لفظوں اور بحروں کا استعمال عظمت اللہ خاں کے اثر سے مقبول ہوا۔ مولوی عبدالحق نے جنوری 1926 کے رسالہ ”اردو“ میں محمد عظمت اللہ خاں کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا ”محمد عظمت اللہ خاں نے اردو میں ایک نئی راہ نکالی ہے۔ ایک تو انھوں نے ہندی بحر میں اختیار کی ہیں دوسرے ہندی الفاظ کا بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے تیسرے ہمارے معاشرے کی خوب تصویر کھینچی ہے۔“

پیارا پیارا گھراپنا

وہ چین کہاں اپنے گھر کا وہ بات کہاں اپنے گھر کی
وہ راج کہاں اپنے گھر کا وہ رات کہاں اپنے گھر کی

سکھ چین اگر دنیا میں ہے اپنے ہی گھر میں ملتا ہے
دکھ درد کی گر کوئی دوا ہے اپنے ہی گھر کی سیوا ہے

وہ گھر والی سندر چترا گھر کی سیوا کرنے والی
آرام ہمیں دینے والی آپ مصیبت بھرنے والی

آنکھوں کے تارے لاڈ لے گھر کے سب مل کر گھر سر پہ اٹھاتے
ہنستے ہنساتے روٹھتے منتے سنتے کہانی سوتے سلاتے

ہم پر جان چھڑکنے والا وہ پروان چڑھانے والا
وہ بلوان بنانے والا وہ انسان بنانے والا

جڑ بنیاد وطن کی گھر ہے وطن گھروں کا اپنے گھر ہے
اپنے گھر پہ نثار وطن ہے اور وطن کے صدقے گھر ہے

وطن کی چاہت اپنے گھر سے وطن کی طاقت اپنے گھر سے
وطن کی دولت اپنے گھر سے وطن کی عزت اپنے گھر سے
وطن کا پیارا گھر اپنا راج دلارا گھر اپنا

(محمد عظیم اللہ خاں)

سوالات

1. اپنے ہی گھر کی سیوا کو دکھ درد کی دوا کیوں کہا گیا ہے؟
2. گھر دل کا دلاسا اور جان سے پیارا ہوتا ہے۔ اس بات کے لیے شاعر نے کیا دلیل دی ہے؟
3. گھر سر پہ اٹھانے کا کیا مطلب ہے؟
4. وطن کی چاہت اور عزت اپنے گھر سے کیوں ہے؟

شاد عارفی

(1900 — 1964)

شاد عارفی کا وطن رام پور (یوپی) تھا۔ ان کا پہلا مجموعہ ”ساج“ 1946 میں شائع ہوا۔ کچھ اپنی افنا طبع کے باعث، کچھ حالات کی خرابی کے نتیجے میں، شاد عارفی نے شاعری کا جو اسلوب اختیار کیا اس میں تیکھے پن، طنز اور تلخی کے عناصر بہت نمایاں ہیں۔ رام پور کی معاشرتی زندگی میں جاگیردارانہ قدروں اور روایتوں کے رنگ بہت گہرے تھے۔ شاد عارفی نے اپنے ماحول اور گرد و پیش کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ اپنی کئی نظموں میں انھوں نے سائنٹی اور جاگیردارانہ اندازِ زندگی کا مذاق اڑایا ہے۔ غربت کی زندگی اور ناقدری کے احساس نے ان کے مزاج کی کڑواہٹ میں مزید اضافہ کیا۔ یوں بھی شاد عارفی ایک کھلا ذہن رکھنے والے صاف گو انسان تھے۔ اشعار میں بھی کھری کھری باتیں کی ہیں۔ امیروں اور رئیسوں کی زندگی کو طنز اور تمسخر کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کی ایک نظم ”ابھی جبل پور جل رہا ہے“ جبل پور، مدھیہ پردیش کے فرقہ وارانہ فسادات پر بہت مشہور ہوئی۔

غزل میں ان کا رنگ یگانہ سے مماثل ہے۔ اس میں شگفتگی اور لطافت سے زیادہ کھر دراپن، بے تکلفی اور طنز نمایاں ہیں۔ لیکن اپنے کھرے پن، ناہمواری اور نثریت کے باعث شاد کی غزل ایک نئے جمالیاتی ذائقے کا پتہ دیتی ہے۔ نئی غزل کے اولین نشانات جن شاعروں کے یہاں ملتے ہیں، ان میں شاد کا نام بھی شامل ہے۔ زندگی سے ان کا رشتہ ہمیشہ حریفانہ رہا۔ زندگی کی طرح ان کی شاعری میں بھی مزاحمت کا عنصر بہت واضح ہے۔ ان کے مجموعے ”شوخی تحریر“ اور ”سفینہ چاہیے“ جدید نظم و غزل کے نمائندہ مجموعوں میں شامل ہیں۔

رُخصت ہوئی سہیلی

رُخصت ہوئی سہیلی
سنسان ہے اُتریا
ویران ہے حویلی
رُخصت ہوئی سہیلی

☆

جھولا پڑا ہے سونا
غم ہو گیا ہے دونا
جاتی ہے آج گھر سے
بچپن کی ساتھ کھیلی
رُخصت ہوئی سہیلی

☆

گیندے پہ ہے اداسی
جوہی پڑی ہے پیاسی
حسرت سے دیکھتی ہے
چمکی کھڑی چنبیلی
رُخصت ہوئی سہیلی

☆

پنچھی ہے بے ٹھکانہ
 ڈالے گا کون دانہ
 طوطا ہے دل شکستہ
 مینا ہوئی اکیلی
 رخصت ہوئی سہیلی

☆

اے دل تری دہائی
 ہوتی ہے وہ پرانی
 ممتا نے جس کی خاطر
 پتا ہزار جھیلی
 رخصت ہوئی سہیلی

☆

ماں باپ کی دلاری
 دلہن بنی ہے پیاری
 اللہ راس لائے
 مہندی رچی ہتھیلی
 رخصت ہوئی سہیلی

☆

کیا خوب یہ گھڑی ہے
 ہر آنکھ رو پڑی ہے
 تو نے تو اے دُہینیا

سکھویں کی جان لے لی
رخصت ہوئی سہیلی

(شاد عارفی)

سوالات

1. گیت کا عنوان کس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے؟
2. سہیلی کے رخصت ہونے سے گھر اور ماحول پر کیا کیفیت طاری ہے؟
3. اللہ راس لائے
مہندی رچی ہتھیلی
ان دونوں مصرعوں میں شاعر، دلہن کو کیا دعا دے رہا ہے؟
4. کیا خوب یہ گھڑی ہے
ہر آنکھ رو پڑی ہے
یہاں پر رونے کے ساتھ ”خوب“ کا لفظ کس صورت حال کی عکاسی کر رہا ہے؟

اختر شیرانی

(1948—1905)

داؤد خاں نام، اختر تخلص، مشہور محقق حافظ محمود خاں شیرانی کے بیٹے تھے۔ ٹونک میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت لاہور میں ہوئی۔ یہاں ان کے والد اور نیشنل کالج لاہور میں استاد تھے۔ اختر شیرانی نے لاہور کے کئی مشہور ادبی رسائل ”ہمایوں“، ”خیالستان“، ”شاہکار“ اور ”انتخاب“ میں ادارتی فرائض انجام دیے۔ عین جوانی میں انتقال ہوا۔

اختر شیرانی نے غزلیں بھی کہیں اور نظمیں بھی۔ لیکن وہ اپنی عشقیہ نظموں کے باعث زیادہ مشہور ہوئے۔ وہ حسن و عشق کے لطیف جذبات مترنم انداز میں اور عاشق کے واردات قلبی کو پُر انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کے یہاں حسن پرستی اور سرمستی ہے۔ اختر کی رومانیت خواب و خیال سے زیادہ ہماری اپنی دھرتی اور اُس کے حسن کے ارد گرد گھومتی ہے اس لیے مانوس معلوم ہوتی ہے۔ اختر نے گیتوں کے علاوہ سانیٹ بھی لکھے۔ ان کی نظموں کا دوسرا موضوع حب الوطنی ہے۔ ان کی نظمیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی محبت اور وطن کی خاطر کسی بھی قربانی کے لیے تیار ہیں۔

”پھولوں کے گیت“، ”شعرستان“، ”صبح بہار“، ”نغمہ حرم“، ”ٹیور آوارہ“، ”اخترستان“، ”لالہ طور“، ”شہرہ رو“ اور ”شبستان“ ان کے شعری مجموعے ہیں۔

روگ کا راگ

انھیں جی سے میں کیسے بھلاؤں سکھی مرے جی کو آکے لُٹھا ہی گئے
مرے من میں درد بسا ہی گئے مجھے پریت کا روگ لگا ہی گئے

کیے میں نے ہزار جتن کہ بچار ہے پریت کی آگ سے من
مرے من میں اُبھار کے اپنی لگن وہ لگاؤ کی آگ لگا ہی گئے

بڑے سکھ سے یہ بیٹے تھے چودہ برس کبھی میں نے پیا نہ تھا پریم کا رس
مری آنکھوں کو شام دکھا کے درس میرے ہر دے میں چاہ بسا ہی گئے

کبھی سپنوں کی چھاؤں میں سوئی نہ تھی کبھی بھول کے دُکھ سے میں روئی نہ تھی
مجھے پریم کے سپنے دکھا ہی گئے مجھے پریت کے دُکھ سے رُلا ہی گئے

رہے رات کی رات، سدھار گئے مجھے سپنا سمجھ کے بسا رہ گئے
میں تھی ہار، گلے سے اُتار گئے میں دیا تھی جسے وہ بُجھا ہی گئے

سکھی کٹلیں ساؤنی گائیں گی پھر نئی کلیاں بھی چھاؤنی چھائیں گی پھر
مرے چین کی راتیں نہ آئیں گی پھر جنھیں نین کے نیر مٹا ہی گئے

میرے جی میں تھی، بات چھپائے رکھوں سکھی چاہ کو من میں دبائے رکھوں
انہیں دیکھ کے آنسو جو آہی گئے مری چاہ کا بھید وہ پا ہی گئے

(اختر شیرانی)

سوالات

1. من میں درد بسانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
2. گلے سے ہار اتارنے، اور دیا بھانے کا کیا مفہوم ہے؟
3. من کی چٹھی ہوئی بات کس طرح ظاہر ہوگئی؟

میراجی

(1912 — 1949)

میراجی کا اصلی نام محمد ثناء اللہ ڈار تھا۔ وہ ایک کشمیری خاندان میں گوجرانوالہ (اب پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ان کا زیادہ وقت لاہور، دہلی اور ممبئی میں گزرا۔ ممبئی میں ہی ان کا انتقال ہوا۔ وہ انتہائی ذہین انسان تھے۔ مطالعے کا انھیں بہت شوق تھا، اس لیے انھوں نے مختلف زبانوں کی شاعری کا مطالعہ کیا، تراجم کیے اور مضامین لکھے۔ وہ لاہور کی ایک مشہور ادبی انجمن 'حلقہ ارباب ذوق' کے بانیوں میں تھے، جس نے بہت سے ذہنوں کو متاثر کیا اور شاعری میں جدید رجحانات کو فروغ دیا۔ انھوں نے اختر الایمان کے ساتھ مل کر رسالہ 'خیال' نکالا جس کے چند ہی شمارے شائع ہو سکے۔ میراجی کی نظموں کے کئی مجموعے مثلاً 'میراجی کی نظمیں' اور گیتوں کا مجموعہ 'گیت ہی گیت' ان کی زندگی میں شائع ہوئے۔ ایک مجموعہ 'پابند نظمیں' اور انتخاب 'تین رنگ' بعد میں شائع ہوئے۔ بہت بعد میں پاکستان سے 'کلیات میراجی' (مرتبہ جمیل جالبی) اور 'باقیات میراجی' (مرتبہ شیمہ مجید) شائع ہوئے۔ نثر میں دو کتابیں 'مشرق و مغرب کے نغمے' اور 'اس نظم میں' معروف ہیں۔

جدید تنقید میں بھی میراجی کا نام بہت بلند ہے۔ انھوں نے نظم کا تجزیہ لکھنے کی ایک نئی رسم کو فروغ دیا۔ ہندوستان اور یورپ کے نئے پرانے شاعروں پر بہت اچھے مضامین لکھے۔ میراجی کی بہت سی شاعری میں جنسی خیالات اور تجربات پیش کیے گئے ہیں۔

اک بستی جانی پہچانی.....

اک بستی جانی پہچانی، یہ دھن تو ہے بہت پرانی
دل میں ہے دھیان ہمارے
نیلے منڈل کے تارے
اور چند رجوت کے دھارے
سب گائیں میٹھی بانی

اک بستی جانی پہچانی، یہ دھن تو ہے بہت پرانی
دل کو ہے رس کا بندھن
اس اُجلی رات کا جو بن
آکاش کا اونچا آنگن
ظاہر میں ہے لافانی

اک بستی جانی پہچانی، یہ دھن تو ہے بہت پرانی
تو آئی میں بھی آیا،
دونوں نے قول نبھایا،
لیکن ہر بات ہے مایا،
جگ کی ہر بات ہے فانی،

سب فانی، فانی—فانی— یہ دھن بھی ہے بہت پرانی
(میراجی)

سوالات

1. جانی پہچانی بستی سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
2. ظاہر میں ہے لافانی، اس مصرع میں شاعر کا اشارہ کس طرف ہے؟
3. گیت کے آخری تین مصرعوں میں شاعر نے کیا کہا ہے؟

© NCERT
not to be republished

جیون ایک مداری پیارے.....

جیون ایک مداری پیارے کھول رکھی ہے پٹاری
کبھی تو دکھ کا ناگ نکالے پل میں اسے چھپالے
کبھی ہنسائے کبھی رلائے بین بجا کر سب کو رچھائے
اس کی ریت انوکھی، نیاری، جیون ایک مداری

کبھی نراشا کبھی ہے آشنا پل پل نیا تماشا
کبھی کہے ہر کام بنے گا جگ میں تیرا نام بنے گا
بنے دیا لو ہٹیا چاری، جیون ایک مداری

جب چاہے دے جائے دھوکا اس کو کس نے روکا
تو بھی بیٹھ کے دیکھ تماشا، کبھی نراشا کبھی ہے آشنا
پت جھڑ میں بھی کھلی پھلوا ری، جیون ایک مداری

آئے ہنسی مٹ جائے آنسو اس میں ایسا جادو
بندر ناچے قلندر ناچے سب کے من کا مندر ناچے
جھوم کے ناچے ہر سنساری، جیون ایک مداری

(میراجی)

سوالات

1. اس گیت میں شاعر زندگی کو کس چیز سے تعبیر کر رہا ہے؟
2. شاعر نے اس گیت میں چوں کے کون کون سے روپ بیان کیے ہیں؟
3. اس گیت میں شاعر نے کون کون سی متضاد کیفیتوں کا ذکر کیا ہے؟
4. تیسرے بند میں شاعر نے آشنا اور نر اشا کی مثال کس سے دی ہے؟

© NCERT
not to be republished

یوں ہی جوت جلے گی، مورکھ

یوں ہی جوت جلے گی، مورکھ
اندھیارے میں جاگا اجالا
سکھ کی کرن ہے دکھ کا بھالا
یوں ہی ساگر لہرائے گا

من گائے گا
یوں ہی ناؤ چلے گی مورکھ

بھاؤ کئی ہیں رنگ اکہرا
انت پہل کا ناتا گہرا
پل پل جیون بڑھتا جائے

من سمجھائے
سن لے بات بھلے کی مورکھ

پوری ہوگی من کی آشا
کیوں یہ چنتا کیوں یہ نراشا
ہری بھری کب ہوگی کیاری

یہ پھلواوی
پھولے گی نہ پھلے گی مورکھ

یوں ہی جوت جلے گی، مورکھ

سوچ سمجھ یہ بات گیان کی
لہریں لاکھوں ایک ہی دھیان کی
ایک ہی مورت نئے رنگ سے

نئے ڈھنگ سے
دھیرے دھیرے ڈھلے گی، مورکھ

(میراجی)

سوالات

1. اندھیرے میں اجالا اور سکھ کے ساتھ دکھ کا ذکر کر کے شاعر نے کیا پیغام دیا ہے؟
2. من کی آشنا پوری ہونے کے بارے میں شاعر نے کس طرح اُمید دلائی ہے؟
3. 'مورکھ' کسے کہا گیا ہے؟

تنہا، سب سے دور، اکیلی

تنہا ، سب سے دُور، اکیلی
دُکھیا دل لے کر ہے بیٹھی
.....رادھا۔

بات نہیں سنتی وہ کسی کی
اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی
.....رادھا۔

سُورِیہ کے گھونٹ بادل کالے
ہر دم بس اُن کو ہی دیکھے
.....رادھا۔

میں ہوں پچارن جو گیا پہلے
”بھوک نہیں ہے“ بس یہ بولے
.....رادھا۔

لو وہ اس نے جوڑا کھولا کاندھوں پر گیسو لٹکائے
جب کالے بالوں کو دیکھا دل میں دھیان کسی کا لائے
اب دیکھے آکاش کو رادھا اور اس نے بازو پھیلائے
.....رادھا۔

کس نے سنی ہے بات ادھوری ایک پہیلی کون بچھائے؟
 مور کی گردن نیلی کالی دیر تلک وہ دیکھتی جائے
 آؤ اس کا بھید بتائیں
 آؤ پہیلی ہم ہی بچھائیں
 ہم نے ان باتوں سے جانا دھیان لیے ہے شام سندر کا
رادھا

(چنڈی داس، ترجمہ میراجی)

سوالات

1. رادھا اپنی سوچوں میں ڈوب کر کیا دیکھ رہی ہے؟
2. کالے بالوں کو دیکھ کر رادھا کو کس کا دھیان آیا؟
3. کن باتوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ رادھا کے دھیان میں شام سندر ہے؟

احسان دانش

(1982 — 1914)

احسان دانش اردو میں شاعرِ مزدور کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔ وہ کاندھلہ، اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ ان کے خاندان کی مالی حالت بہت خراب تھی اس لیے ان کی تعلیم بہت معمولی ہوئی۔ لیکن مطالعے کا شوق ان میں بچپن سے تھا۔ وہ دن بھر محنت مزدوری کرتے تھے۔ فرصت کے اوقات میں شعر و ادب سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ اور بہت جلد وہ شعر بھی کہنے لگے۔ آواز اچھی پائی تھی، اس لیے مشاعروں میں بہت جلد مقبول ہو گئے۔ انھوں نے زندگی کا بڑا حصہ لاہور میں گزارا، اور آہستہ آہستہ اپنے وقت کے ممتاز استادوں میں شمار ہونے لگے۔ انھوں نے کتابوں کی ایک دوکان کھول لی تھی۔ اس سے معاش بھی حاصل کرتے تھے اور وقت بھی اچھا گزرتا تھا۔

احسان دانش کی نظموں میں غریب طبقوں کی زندگی کا عکس نمایاں ہے۔ انھوں نے مزدوروں پر بہت سی نظمیں کہیں۔ انداز میں جذباتیت کا رنگ غالب ہے۔ ’نوائے کارگر‘، ’چراغوں اور آتش خاموش‘ ان کے مشہور مجموعے ہیں۔ ان کی زبان بالعموم سہل اور رواں ہے۔ ہندی بول چال کے لفظوں کو بہت خوبصورتی سے برتتے ہیں۔ کچھ گیت ہندی بھاشا میں بھی لکھے ہیں۔ ان کی رومانی نظمیں بہت پسند کی جاتی تھیں۔ ان میں ’صبح بنارس‘ اور ’بیٹے ہوئے دن‘ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

پریت ہے من کا روگ

پریت ہے من کا روگ

سکھی ری
پریت ہے من کا روگ

انگ ہے اگنی ، نین پانی
بولت ہیں سب ویش کی بانی
ویوگ میں بتی جات جوانی

آتی کٹھن بنجوگ
سکھی ری
پریت ہے من کا روگ

دھرتی چپ آکاش اندھیرا
روٹھ گیو ، رتین سے سویرا
برہن کا من ، دکھ کا ڈیرا

چھایو جگ میں سوگ
سکھی ری
پریت ہے من کا روگ

چھب دکھلا جا کرشن مراری
درس کے پیاسے ہیں زناری

کھائی ہے ایسی پریم کٹاری

ویاگل ہیں سب لوگ
سکھی ری
پریت ہے من کا روگ

(احسان دانش)

سوالات

1. شاعر نے پریت کو من کا روگ کیوں کہا ہے؟
2. راتوں سے سویرا روٹھ جانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
3. شاعر کرشن ماری کے درشن کی ضرورت کیوں محسوس کرتا ہے؟

سلام مچھلی شہری

(1973 — 1921)

قصبہ مچھلی شہر، ضلع جون پور، اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ آزمائشوں سے بھری ہوئی زندگی گزاری۔ الہ آباد یونیورسٹی کی لائبریری میں ایک معمولی سی ملازمت سے عملی زندگی شروع کی۔ بعد میں آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہو گئے اور دہلی کو اپنا گھر بنالیا۔ آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس سے بہ حیثیت پروڈیوسر وابستہ تھے۔ ان کی طبیعت میں ایک خاص طرح کی وارثگی تھی۔ اپنی رومانی نظموں میں انھوں نے جدت طرازی کی بہت اچھی مثالیں پیش کی ہیں۔ گفتگو کے انداز اور ڈرامائی عناصر کے برجستہ استعمال سے انھوں نے اپنی بعض نظموں کو افسانے کی طرح دل چسپ بنا دیا ہے۔ ان کے تخلیقی مزاج میں اچ بہت تھی۔ انھوں نے شعری اظہار کے نئے نئے راستے نکالے اور نظم میں ہیئت کے کئی تجربے کیے۔ نئی نظم کے اچھے شاعروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ ’میرے نغمے‘، ’پائل‘ اور ’وسعتیں‘، ان کے مقبول و مشہور مجموعے ہیں۔ سلام مچھلی شہری کے گیت بھی بہت خوبصورت ہیں۔

سلام مچھلی شہری کو حکومت ہند نے ان کی ادبی و شعری خدمات کے اعتراف میں ”پدم شری“ کے اعزاز سے نوازا۔ ان کا انتقال دہلی میں ہوا اور وہ یہیں مدفون ہیں۔

گیتوں کے ہروا گوندھوں گی

گیتوں کے ہروا گوندھوں گی
ہاں سندر کوئل گیتوں کے

کچھ نازک کلیاں لاؤں گی
اور اُن تاروں کو بلاؤں گی
اوشا کے گلابی ڈورے میں
آشا کے پھول پروؤں گی
گیتوں کے ہروا گوندھوں گی
ہاں سندر کوئل گیتوں کے

سنتی ہوں ساجن آئے ہیں
جذبات مرے تھرائے ہیں
ان پریم کی نازک لہروں پر
میں اپنی نیا چھوڑوں گی
گیتوں کے ہروا گوندھوں گی
ہاں سندر کوئل گیتوں کے

(سلام مچھلی شہری)

سوالات

1. ”آشا کے پھول پروؤں گی“ کا کیا مطلب ہے؟
2. ساجن کے آنے پر شاعر نے عورت کی کیا کیفیت بیان کی ہے؟

© NCERT
not to be republished

بھرتی ہری

ہندوستان میں ایک ساتھ اتنی زبانوں کا چلن ہے کہ اسے زبانوں کی تجربہ گاہ کہا جاتا ہے۔ سنسکرت ہماری قدیم ترین زبانوں میں ہے۔ ہندوستانی زبانوں کے سیاق میں سنسکرت کو ”زبان کی ماں“ کہا گیا ہے۔ قدیم سنسکرت ادب کے بہت سے شاہکاروں کا ترجمہ ہندوستان کی اور دنیا کی مختلف زبانوں میں کیا جا چکا ہے۔ اردو میں بھی سنسکرت سے ترجمے کیے گئے ہیں، کالی داس، امر، بھرتی ہری، دامودر گپت کی تخلیقات کے ترجمے اردو میں خاصے معروف ہیں۔ بھرتی ہری کے عہد اور حالات زندگی سے متعلق اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اجین کے راجا تھے لیکن دنیا کے حالات سے تنگ آ کر انھوں نے حکومت سے منھ موڑ لیا اور گیان دھیان کے ساتھ فکر و خیال میں مصروف ہو گئے۔ علم لسان پر بھی انھوں نے بہت کام کیا ہے۔ ان کا شمار سنسکرت کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کے ایک شلوک کا اردو ترجمہ علامہ اقبال نے ”بال جبریل“ میں کیا تھا۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اقبال کے ”جاوید نامہ“ میں بھرتی ہری پر دو نظمیں شامل ہیں۔ اثر لکھنوی نے بھرتی ہری کے پانچ شلوکوں کا ترجمہ اردو میں رنگِ بسنت کے نام سے کیا تھا۔ چودھری جے کرشن حبیب، تلوک چند محروم، یوسف ناظم اور عبدالستار دلوی نے بھی بھرتی ہری کے ترجمے کیے ہیں۔ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی بھرتی ہری کے کلام سے دل چسپی برقرار ہے۔ پرتاپ گڑھ کے

معارف شاعر و ادیب امتیاز الدین خاں نے بھرتی ہری کے شلوکوں کے منظوم ترجمے کیے ہیں، جو اترپیش اردو اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔ اگلے صفحہ میں نیتی شتک کے کچھ منظوم ترجمے دیے جارہے ہیں۔

© NCERT
not to be republished



کم علم تھا تو خود کو سمجھتا تھا دیدہ ور
مغرور فیل مست کی صورت تھا بے بصر
جب سے ہوں اہل علم کی صحبت سے فیض یاب
اُترا بخار، جہل پہ اپنے ہے اب نظر



ہاتھی ہوا بد مست تو اُٹش مارا
ڈنڈے سے کیا گھوڑے گدھے کو سیدھا
ہر روگ کا مل جائے گا دنیا میں علاج
دانستہ حماقت کی نہیں کوئی دوا



آجائے گا سنگار سے کیا روپ میں نکھار؟
کیا پھول گوندھ لو تو چمک جائے زلفِ تار؟
دنیا کی ہر نمود و نمائش کو ہے فنا
ہوتی ہے بس زبانِ مہذب سدا بہار



علم کے زیور سے قائم آدمی کی شان ہے
دولتِ محفوظ ہے، ہر عیش کا سامان ہے
گیان، راجہ ہے، رشی ہے، دیوتا، بھگوان ہے
گیان سے محروم انسان واقعی حیوان ہے



بدلتی کائنات میں کوئی جیسے کوئی مرے
وہ زندگی ہے زندگی جو غیر کا بھلا کرے
جہاں بے ثبات میں اُسے ثبات ہے کہ جو
سماج کے لیے جیسے، سماج کے لیے مرے



ہے حق پرستوں کا ہر دم شعار
مصیبت سے لڑتے ہیں مردانہ وار
کسی کا وہ احسان لیتے نہیں
نہ مانگیں کسی سے وہ ہرگز اُدھار



جس کی تو نگری میں نہیں تمکنت کا نام
غمگیں نہ کر سکے گا اُسے غم کا اژدہام
گر بحث ہو تو بزم میں منطق سے سرخرد
باطل سے جنگ ہو تو ہے شمشیر بے نیام



تشدّد، نہ حرص و ہوس سے ہو کام
کرو بے کسوں کی مدد صبح و شام
ہر اک فرد و ملت کے ہو خیر خواہ
سبھی مذہبوں کا کرو احترام



حق پرستوں نے کبھی چھوڑی نہ حق کی رہ گزر
دشمن باطل مصیبت میں رہے بیباک تر
بے نوائی میں بھی ان کو بچھتے تھے لعل و گہر
دھار پر تلوار کی چلنا رہا ان کا ہنر



اک بوند گر کے پتے توے پر ہوئی فنا
اک بوند جا کے سپ میں موتی ہے بے بہا
اک بوند سے ہے پھول کے چہرے پہ آب و تاب
صحبت جدا جدا تھی تو قسمت جدا جدا



دودھ سے پانی کی ہو جاتی ہے یاری پیاری
آتی ہے پانی میں بھی دودھ کی رنگت ساری
دودھ کھولا ہے تو پانی ہی جلا ہے پہلے
یوں ہی اچھوں میں ہوا کرتی ہے اچھی یاری



فکر و گفتار ہو کہ ہو کردار
خدمتِ خلق سے ہے ان کا وقار
خوبیاں غیر کی بڑھا کے کہیں
ایسے دنیا میں لوگ ہیں دو چار



ہمتِ مردانہ ہے انسانِ اعلیٰ کا شعار
 دو قدم چل کر جو ہمت ہار دے، ہے بے وقار
 غم کے طوفان و حوادث کی اُسے پروا نہیں
 کھینچ لاتا ہے وہ کشتی قلزمِ خونیں کے پار



تحسین کریں اہلِ نظر یا تنقید
 انبار لگے زر کا کہ تنگی ہو شدید
 آتی ہو ابھی موت کہ صدیوں ٹل جائے
 ہر حال میں کرتے رہو حق کی تائید



اللہ کے ذکر سے نہ غافل ہونا
 ہر حال میں نیکیوں پہ عامل ہونا
 باطل سے گریزاں رہے اور حق کے قریب
 آساں اسے ہو جائے گا کامل ہونا

(بھرتی ہری، مترجم امتیاز الدین خاں)

سوالات

1. اُترا بخار، جہل پہ اپنے ہے اب نظر
2. یہاں پر بخار اُترنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
3. دنیا میں کس روگ کی کوئی دوا نہیں ملتی؟
4. شاعر کے نزدیک کیا چیز سدا بہار ہے؟
5. سماج کے لیے جیے اور سماج کے لیے مرنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
6. شاعر نے حق پرستوں کی کیا خصوصیت بتائی ہیں۔ تفصیل سے لکھیے۔
7. تلوار کی دھار پر چلنے سے کیا مراد ہے؟
8. بوند کے مختلف انجام کو شاعر نے کس طرح بیان کیا ہے؟
9. اچھٹوں میں اچھی یاری ہوتی ہے اس بات کو شاعر نے کس طرح سمجھایا ہے؟
10. خدمتِ خلق کا وقار کن باتوں سے قائم ہے؟
11. اعلیٰ انسان کا شعار کیا ہے؟
12. انسان کو کامل بنانے میں شاعر نے کیا مشورہ دیا ہے؟
13. عظمتِ کردار کے لیے کیا کیا ضروری ہے؟

امانت لکھنوی

(1858—1815)

سید آغا حسن نام، امانت تخلص تھا۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وہیں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ ان کے بزرگ، ایران سے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ سید علی رضوی، مشہد مقدس میں حضرت امام رضا کے روضے کے نگراں تھے۔ ایک مرض کے نتیجے میں امانت لکھنوی کی زبان بند ہو گئی۔ انھوں نے زیارت کی غرض سے عراق کا سفر کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن امام حسنؑ کے روضے پر دعا مانگ رہے تھے کہ ان کی زبان، جو تقریباً دس برس سے بند تھی، خود بہ خود کھل گئی، مگر کلفت باقی رہی۔

امانت لکھنوی نے پندرہ برس کی عمر سے شعر گوئی کا آغاز کیا۔ ابتدا میں چند نوحے اور سلام کہے پھر غزل گوئی کی جانب متوجہ ہوئے۔ عراق کے سفر سے واپس آنے کے بعد مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہو گئے۔ امانت کے بیٹے لطافت نے ان کا کلام یکجا کر کے 'خزانہ الفصاحت' کے تاریخی نام سے شائع کیا۔

امانت لکھنوی نے استسقا کے مرض میں مبتلا ہو کر چوالیس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ آغا باقر کے امام باڑے کے قریب مسافر خانے میں دفن کیے گئے۔

اندرسبھا

فن موسیقی کی سرپرستی ہندوستان کے راجاؤں اور بادشاہوں کا معمول تھا۔ اودھ کے نوابوں نے بھی اس روایت کو قائم رکھا۔ اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ اپنے زمانے میں رقص و موسیقی کے سبب سے بڑے سرپرست تھے۔ ان کے دور میں ڈراما لکھنے اور اسے شاہی محفلوں میں دکھانے کا رواج بہت مقبول ہوا۔ انھیں محفلوں سے متاثر ہو کر سید آغا حسن امانت لکھنوی نے 'اندرسبھا' کے نام سے ایک منظوم ڈراما لکھا۔

امانت کی 'اندرسبھا' پہلا عوامی ڈراما ہے جسے غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ جہاں کہیں اسٹیج کیا جاتا تھا، تماشائی، دور دور سے بڑی تعداد میں اسے دیکھنے پہنچتے تھے۔ بہت سی پیشہ ورانہ منڈلیاں قائم ہو گئی تھیں جو دیہاتوں، قصبوں اور شہروں میں اجرت پر اندرسبھا کا کھیل دکھاتی تھیں۔

اندرسبھا کا کھیل بعض جزئیات میں قدیم ہندوستانی نائک سے، بعض میں قدیم یونانی ڈرامے سے اور بعض میں انگلستان کے عہد الزبتھ کے ڈرامے سے مشابہ ہے۔ قدیم ہندوستانی ڈرامے میں اسٹیج پر صرف پچھلا پردہ پڑا رہتا تھا۔ اندرسبھا میں بھی مقام کا تصور پیدا کرنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ کسی کردار کا اپنا پارٹ ادا کر کے تماشاویوں سے ذرا الگ ہٹ جانا اور دوسرے کردار کا سامنے آ کر اپنا کام کرنا سین بدل جانے کے برابر تھا۔ جب اس طرح خیالی طور پر سین بدل جاتا تھا تو وہی جگہ جو ابھی کچھ تھی اب کچھ اور بن جاتی تھی۔ مثلاً وہی جگہ جو ابھی اندر کی سبھا تھی اب سبز پری کا باغ بن گئی۔

اس منظوم ڈرامے میں کل آٹھ کردار ہیں۔ یوں تو ہر کردار دلچسپ ہے لیکن راجا اندر

اور سبز پری کے کرداروں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وہ کردار ہیں جن کے سبب ڈرامے میں تشویش، حرکت، کشمکش اور دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔

[تلخیص مقدمہ: سید مسعود حسن رضوی ادیب]

امانت کی اندرسبھا اردو میں آپیرا (Opera) کا اولین نمونہ ہے۔ اسے ہم منظوم ڈراما بھی کہہ سکتے ہیں جسے رقص و موسیقی کی مدد سے اسٹیج پر پیش کیا جاتا ہے۔ اردو میں اسٹیج ڈرامے کی روایت کے باقاعدہ آغاز سے پہلے اندرسبھا کی مقبولیت نے ایک پس منظر تیار کر دیا تھا۔ اندرسبھا کی روایت سے بعد کے ڈراما نگاروں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ اردو میں آپیرا کی روایت بتدریج ترقی کرتی رہی، نئے پرانے بہت سے شاعروں نے آپیرا یا غنائے لکھے جن میں تمثیلوں اور تاریخی واقعات پر مبنی کھیل بھی اسٹیج کیے جاتے رہے ہیں۔

آمد راجا اندر کی بیچ سبھا کے

سبھا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے
خوشی ہے چچھے لازم ہیں صورت بلبل اب اس چمن میں گل تر کی آمد آمد ہے
فروغ حسن سے آنکھوں کو اب کرو روشن زمیں پہ مہر منور کی آمد آمد ہے
زمیں پہ آئیں گی راجہ کے ساتھ اب پریاں ستاروں کی، مہ انور کی آمد آمد ہے
غضب کا گانا ہے اور ناچ ہے قیامت کا بہار فتنہ محشر کی آمد آمد ہے
بیان راجہ کی آمد کا کیا کروں استاد جگر کی جان کی دلبر کی آمد آمد ہے

چوبوڑا اپنے حسبِ حال زبانی

راجہ ہوں میں قوم کا اور اندر میرا نام بن پریوں کی دید کے نہیں مجھے آرام
سنورے میرے دیورے دل کو نہیں قرار جلدی میرے واسطے سبھا کرو تیار

آمد پکھراج پری کی بیچ سبھا کے

مخفل راجہ میں پکھراج پری آتی ہے سارے معشوقوں کی سرتاج پری آتی ہے
اس کا سایہ نہ کبھی خواب میں دیکھا ہوگا آدمی زادوں میں وہ آج پری آتی ہے

شعر خوانی اپنے حسبِ حال زبانی پکھراج پری کی

گاتی ہوں میں اور ناچ سدا کام ہے میرا آفاق میں پکھراج پری نام ہے میرا
استاد کو دیتی ہوں دعائیں دل و جاں سے یہ کام جہاں میں سحر و شام ہے میرا

*چوبوڑا: چار مصرعوں کا گیت

غزل بسنت کی زبانی پکھراج پری کی فصل بہار میں

ہیں جلوہ تن سے در و دیوار بسنتی پوشاک جو پہنے ہے مرا یار بسنتی
کیا فصل بہاری نے شگوفے ہیں کھلائے معشوق ہیں پھرتے سر بازار بسنتی
گیندا ہے کھلا باغ میں میدان میں سروس صحرا وہ بسنتی ہے یہ گلزار بسنتی

درخواست نیلم پری کی زبانی راجا اندر کی

خوب رچھایا ناچ کے گاکے پاس مرے اب بیٹھ تو آکے
خوش ہوئی تجھ سے ساری محفل اب ہے نیلم پری کی باری
لاؤ نیلم پری کو

شعر خوانی حسب حال اپنے زبانی نیلم پری کی

حوروں کے ہوش اڑتے ہیں اڑنے کی شان پر نیلم پری ہے نام مرا آسمان پر
اللہ کے کرم سے زمانے میں ہے عروج ٹھکتا ہے سر فلک کا مرے آستان پر

چھند زبانی نیلم پری کی بیچ سبھا کے

میں چیری سرکار کی اور تم راجوں کے راج گانا مجھ معشوق کا سنو غور سے آج
سنو غور سے آج مرا راجا جی گانا ناچ کی چھل بل دیکھ کر دیکھو بتلانا

چھند زبانی نیلم پری کی بیچ سبھا کے

آئی ہوں میں دور سے چیزیں کر کے یاد مجرا میرا دیکھ کر کرو مرا دل شاد
کرو مرا دل شاد کہ میں جی کھول کے گاؤں گاکے ناچ کے آج ہنر اپنا دکھلاؤں

فقرے لال پری کی درخواست میں زبانی راجا اندر کی

دکھا چکی تو کرتب سارے پہلو میں اب بیٹھ ہمارے
کیا سبھا میں تو نے نام اب ہے لال پری کا کام
لاؤ لال پری کو

آمد لال پری کی بیچ سبھا کے

سبھا میں لال پری کی سواری آتی ہے جمانے رنگ اب اندر کی پیاری آتی ہے
شفق میں آئے گا ٹھرمٹ نظر ستاروں کا پہن کے سرخ وہ پوشاک پیاری آتی ہے

شعر خوانی زبانی لال پری کی بیچ سبھا کے

انساں کا کام حُسن پہ میرے تمام ہے جوڑا ہے سُرخ لال پری میرا نام ہے
یا قوت زر خرید ہے سرکار کا مری نوکر عقیق لعل بدخشاں غلام ہے

چھند زبانی لال پری کی بیچ سبھا کے

بیٹھی تھی میں قاف جو جوڑا پہنے لال یہاں بلا کر آپ نے بڑھوایا اقبال
بڑھا دیا اقبال کہ یاں مجھ کو بلوایا سماں سبھا کا آج بہت دن بعد دکھایا

غزل ساون زبانی لال پری کی ساون کی فصل میں

دل کو مرغوب ہے جو ٹھنڈی ہوا ساون کی مانگتی ہوں میں سدا حق سے دعا ساون کی
یاد آتا ہے وہ سبزہ وہ گھٹا ساون کی شکل دکھلائے کہیں جلد خدا ساون کی

آمد سبز پری کی بیچ سبھا کے

آتی نئے انداز سے اب سبز پری ہے لب سرخ ہیں پر سبز ہیں پوشاک ہری ہے
فیروزہ اسے دیکھ کے کھا جاتا ہے ہیرا چہرے میں زمرد سے سوا جلوہ گری ہے
جن اُس سے خجالت کے سبب اڑ نہیں سکتے پریوں کو سدا شرم سے بے بال و پری ہے
زیور کی ہے کیا شان چھریے سے بدن پر اک شاخ ہے نازک کہ شگوفوں سے بھری ہے

چو بولا زبانی سبز پری کی

راجا جی تو سو گئے دیا نہ کچھ انعام جاتی ہوں میں باغ میں یہاں مرا کیا کام
سن رے کالے دیورے تو مری ایک بات آتی تھی راجا کے گھر میں جو آج کی رات
شہزادہ اک بام پر سوتا تھا نادان جو بن اس کے دیکھ کر نکلی میری جان
دل میرا لگتا نہیں محفل کے درمیان قالب میرا ہے یہاں وہاں ہے میری جان
اس کو گر تو لا اٹھا جلدی جا کر یار لونڈی میں ہو جاؤں گی تری بے تکرار

جواب کالے دیو کا طرف سبز پری کے

گھر میں راجا کے ہے تو پریوں کی سردار تجھ سے کر سکتا نہیں ہرگز میں انکار
تیری خاطر ہے مجھے سب سے یہاں سوا پتا بتا معشوق کا لاؤں ابھی اٹھا

جاگنا شہزادہ کا نیند سے اور کہنا گھبرا کر

کوٹھا میرا کیا ہوا چھوٹا کدھر مکاں سویا تھا میں کس جگہ آیا ہائے کہاں
نہ وہ میرے لوگ ہیں نہ وہ میری جا خواب یہ میں ہوں دیکھتا جاگ رہا ہوں یا

کہنا سبز پری کا شہزادے کا ہاتھ تھام کے

دیکھو تم میری طرف گھر کا مت لو نام لونڈی مجھ کو جان کر کرو یہاں آرام
جو ہونا تھا سو ہوا جانے دو بس خیر چلو پھرو کھاؤ پیو کرو باغ کی سیر
بتلاؤ اب حسب نسب اور تم اپنا نام رہتے ہو کس کام میں ہوگا کہاں قیام

جواب شہزادہ گلغام کا

مخلوں میں رہتا ہوں میں عیش ہے میرا کام شہزادہ ہوں ہند کا نام مرا گلغام

چغلی کھانا لال دیو کا راجا اندر سے مثنوی میں

مہاراج کو حق رکھے شاد کام نئی عرض ہے آج کرتا غلام
میں کھاتا تھا اس دم چمن کی ہوا حقیقت وہ دیکھی کہ ہوش اڑ گیا
شجر ہے پرانا جو شمشاد کا گزر واں ہے اک آدمی زاد کا
نہیں کرتی اصلا مری عقل کام وہ انسان ہے یا کہ ماہ تمام
اُسے کون لایا یہاں اپنے ساتھ اسی فکر میں کب سے ملتا ہوں ہاتھ

پوچھنا راجا اندر کا لال دیو سے غضب ناک ہو کر

ارے دیو تو ہے یہ کیا بک رہا مرے باغ میں کام انساں کا کیا
ہوا کس طرح یاں بشر کا گذر پرندوں کے دہشت سے جلتے ہیں پر
قدم رکھ سکے جن کی کیا جان ہے فرشتوں کی یاں عقل حیران ہے
کسی دیو سے آشنائی نہ ہو پری کوئی ساتھ اپنے لائی نہ ہو
اسے کھینچ لا پاس میرے شتاب کہ غصے سے ہے حال میرا خراب

لانا لال دیو کا گلغام کو کھینچ کر روبرو راجا اندر کے اور عرض کرنا

حضور میں حاضر ہے یہ شعلہ خو مہاراج صاحب نگہ روبرو
بجا آپ کا حکم لایا غلام چمن میں پہنچ کر کیا اپنا کام

پوچھنا راجا اندر کا گلغام سے سبب داخل ہونے کا پرستان میں

ارے کون ہے تو ترا کیا ہے نام سبھا تو نے کی میری برہم تمام
تجھے لایا یاں کون اے بد صفات بیاں مجھ سے کر جلد یہ واردات

عرض کرنا گلغام کا راجا اندر سے عالم ہر اس میں ہاتھ جوڑ کر

کہوں کیا فلک کا ستایا ہوں میں یہاں کھیل کر جی پہ آیا ہوں میں

کہنا راجا اندر کا لال دیو سے واسطے قید گلغام کے اور نکلوانا سبز پری کو
اکھاڑے سے پر نونچ کر

ارے دیو کر قصد بیداد کا پکڑ ہاتھ اس آدمی زاد کا
کنواں وہ جو ہے قاف میں پُر خطر ابھی اس میں جا کر اسے قید کر
پری سبز جو ہے یہ آگے کھڑی خطا کی ہے اس بیسوا نے بڑی
سو تو نونچ کر اس کے پر اور بال اکھاڑے سے میرے ابھی دے نکال
اڑاتی پھرے خاک یہ کو بہ کو نہ آئے ہمارے کبھی رو برو

آنا سبز پری کا جوگن بن کے پرستان میں

جوگن آتی ہے پری بن کے پرستان کے بیچ سمرنیں ہاتھوں میں مُندرے ہیں پڑے کان کے بیچ
سر پہ انڈوا ہے رکھے منہ پہ رمائے ہے بھوت سیلیاں ڈالے ہے گردن میں گریبان کے بیچ

حاضر کرنا کالے دیو کا جوگن کو سبھا میں اور عرض کرنا راجا اندر سے

مہاراج کیجے ادھر اب نگاہ یہ جوگن ہے حاضر بحالِ تباہ
ملا کس خرابی سے اس کا نشان ہوا میں پرستان میں ہر سو رواں

دیکھنا راجا اندر کا طرف جوگن کے اور دریافت کرنا حالِ جوگ کا

اری جوگن اے درد کی بتلا فقیروں کا کیوں بھیس تو نے کیا
فدا کس پہ ہے کس پہ شیدا ہے تو کوئی آدمی ہے پری یا ہے تو

جواب جوگن کا درد آمیز طرف راجا اندر کے اور عرض حال کرنا

مہاراج پوچھو نہ جوگن کا حال فقیروں کا دل درد سے ہے نڈھال
مرا مجھ سے معشوق ہے چھٹ گیا مرا راج اس دیس میں لٹ گیا

ٹھمری گانا جوگن کا سامنے راجا اندر کے بیچ دُھن بھیرویں کے

کہاں گیو گئیاں شہزادہ جانی پیارا دل تڑپے رے ہمارا
کہاں گیو

وا کا پتا کہوں لاگت ناہیں ڈھونڈھ پھری بن سارا
کہاں گیو

گلوری دینا راجا اندر کا جوگن کو محفوظ ہو کر اور جواب دینا جوگن کا نثر میں

پان لے کے کیا کروں، کسی سبزہ رنگ کا دھیان ہے۔ ہڈیاں چونا ہیں، بدن دھان پان ہے۔
عشق ہو پی پی کے رنگ لیا ہے۔ فراق نے قتل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ گلوری لیے مجھے کیا سکتا ہے۔
فقیروں کا منہ کون کیل سکتا ہے۔

ہار دینا راجا اندر کا جوگن کو پھر جواب دینا جوگن کا اور ہار نہ لینا

ہار زہار نہ لوں گی، دل کو خار ہے اپنا گل عذار گلے کا ہار ہو تو بہار ہے

پھر غزل گانا جوگن کا بیچ دھن بھیرویں کے

دل کو چین اک دم تہ چرخ کہن ملتا نہیں وہ مرا گلفام وہ گل پیرہن ملتا نہیں
کس طرح صرصر مرے گل کو اڑا کر لے گئی گلشن عالم میں وہ رشک چن ملتا نہیں

رو مال دینا راجا اندر کا جوگن کو خوش ہو کر پھر جواب دینا جوگن کا ذومعنی میں

رو مال انھیں دیجے جو تنگ دست ہیں۔ فقیر اپنی کملی میں مست ہیں۔ عشق کی گرمی نے مارا ہے۔
پیشینے سے کنار ہے۔ راجا کے دور میں پلے سے آئی ہوں۔ جو مانگوں سو پاؤں۔

اقرار کرنا راجا اندر کا جوگن سے

مانگ کیا مانگتی ہے

غزل گانا جوگن کا طلب گلفام میں

ہوتا ہے کوئی آن میں اب کام ہمارا انعام میں دیجے ہمیں گلفام ہمارا
اب چاہ سے یوسف کو نکلواؤ ہمارے گھٹنا ہے اندھیرے میں دل آرام ہمارا

پہچاننا راجا اندر کا سبز پری کو اور طلب کرنا لال دیو کو واسطے خلاصی گلغام کے

اے لال دیو اس طرف جلد آ بڑا مجھ کو جوگن نے دھوکا دیا
بناوٹ کی تھی ساری جادوگری نہیں آدمی سبز ہے یہ پری

ملنا گلغام کا سبز پری کو اور گفت و شنید حال ایام فراق کی آپس میں سوال

سبز پری کا

تھر تھا ہجر قیامت تھی جدائی تیری میرے خالق نے مجھے شکل دکھائی تیری

جواب شہزادے کا

خاک ہے منہ پہ ملی بال ہیں سر کے بکھرے ہائے اس عشق نے کیا شکل بنائی تیری

جواب سبز پری کا

مجھ پہ ہونا تھا جو کچھ ہو گیا اس کا نہیں غم ہو گئی قید مصیبت سے رہائی تیری

جواب شہزادے کا

تو مرے آگے نکالی تھی گئی نوچ کے پر راجا تک پھر ہوئی کس طرح رسائی تیری

جواب سبز پری کا

بن کے جوگن ہوئی اندر کی سبھا میں داخل پھر یہاں چاہ مجھے کھینچ کے لائی تیری

جواب شہزادے کا

کہہ کے راجا سے مجھے کس نے تجھے دلویا دشمنِ جاں تھی میری جان جدائی تیری

جواب سبز پری کا

ہے تمنا یہ مرے دل میں کہ اب حشر تک فضلِ استاد سے دیکھوں نہ جدائی تیری

مبارک باد گانا سبز پری کا گلغام سے ہم بغل ہو کر ساتھ سب پریوں کے

شادی جلوۂ گلغام مبارک ہووے عیش و عشرت کا سر انجام مبارک ہووے
بعدِ مدّت کے حسینوں کا نصیب جاگا فرشِ رحمت پہ اب آرام مبارک ہووے
سروِ قمری کو سزاوار ہو بلبل کو گل ہم کو یہ سرو گل اندام مبارک ہووے
تخت پر ہم کو مبارک ہو جہاں میں پھرنا غیر کو گردشِ ایام مبارک ہووے
ہو چکے عشق میں بدنام بڑی مدّت تک اب زمانے میں ہمیں نام مبارک ہووے
جعل سازوں کے نہ پھندے میں پھنسے طائرِ دل گیسوؤں کا ہمیں اب دام مبارک ہووے
حوریں جنت کو مبارک ہوں فلک کو تارے باغ کو گل ہمیں گلغام مبارک ہووے
چھینے شہزادے کو اب راجا نہ ہم سے استاد یہ امانت سحر و شام مبارک ہووے

(امانت لکھنوی)

سوالات

1. اندرسبھا میں ڈراموں سے مماثلت کے کیا پہلو نکلتے ہیں؟
2. آپیرا (Opera) کی تعریف کیا ہے اور اردو کا پہلا منظوم ڈراما کون سا ہے؟
3. راجہ کی محفل میں پکھراج پری کی آمد کا حال اپنے الفاظ میں لکھیے۔
4. اندرسبھا میں سبز پری کی آمد کا نقشہ کس طرح کھینچا گیا ہے؟
5. شہزادہ کلغام کو کیا سزا دی گئی اور کیوں؟

شاہنامہ اسلام

حفیظ جالندھری اردو کے معروف نظم گو شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا بہت نمایاں وصف اس کی غنائیت ہے۔ انھوں نے نظموں اور غزلوں کے علاوہ گیت بھی بڑی تعداد میں لکھے ہیں۔ ان گیتوں میں غنائیت اور موسیقی کا عنصر انھیں انتہائی پرکشش اور موثر بنا دیتا ہے۔

حفیظ جالندھری کا شاہنامہ اسلام اردو کی سب سے طویل اور مقبول نظموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا موازنہ فردوسی کے شاہنامے سے تو نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شاہنامہ فردوسی رزمیہ شاعری کا شاہکار ہے۔ حفیظ جالندھری نے اس میں اسلام کی تاریخ بیان کی ہے۔ نظم کا بیشتر حصہ بیانیہ ہے اور واقعہ نگاری کا اچھا نمونہ ہے۔ کچھ حصوں میں جذبات نگاری کی بھی بہت اچھی مثالیں ملتی ہیں۔

یہاں شاہنامہ اسلام کی دوسری جلد کا ایک نمائندہ اقتباس دیا جا رہا ہے۔ اس میں حفیظ جالندھری نے صحرا کی زبان سے ایک تشنہ لب قافلے کے استقبال یا خیر مقدم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ واقعہ نگاری اور بیانیہ انداز کے ساتھ ساتھ ان اشعار میں جذبے کا بہت لطیف اظہار بھی ملتا ہے۔

حفیظ جالندھری

(1982 — 1900)

عبدالحفیظ نام اور حفیظ تخلص تھا۔ پنجاب کے ضلع جالندھری میں پیدا ہوئے۔ تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ وہ مولانا گرامی کے شاگرد تھے اور فارسی و اردو میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ حفیظ جالندھری نے کئی اہم جریڈوں اور رسالوں کی ادارت کی۔ 1938 میں انھوں نے یورپ کا سفر کیا اور وہاں قیام کے دوران ”افرنک کی دنیا“ اور ”اپنے وطن میں سب کچھ ہے پیارے“ مشہور نظمیں کہیں۔ چھوٹی بحروں اور سادہ لفظوں میں گیت اور نظمیں لکھنا حفیظ کا خاص انداز ہے۔

حفیظ جالندھری کا شمار اردو کے معروف شاعروں میں ہوتا ہے۔ ”نغمہ زار“، ”سوز و ساز“ اور ”تلخابہ شیریں“ ان کے کلام کے اہم مجموعے ہیں۔

حفیظ کا شاہکار ”شاہنامہ اسلام“ ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ”شاہنامہ اسلام“ بیانیہ شاعری کی اچھی مثال ہے۔

صحرا کی دعا

یہ تشنہ لب جماعت جب یہاں پر رک گئی آکر دعا کی دامن صحرا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر
 کہ اے صحرا کو آتش ناک چہرہ بخشے والے رخ خورشید کو کرنوں کا سہرا بخشے والے
 ازل کے دن سے اب تک بھاڑ میں بھنتا رہا ہوں میں صدائے رعد و باران دُور سے سنتا رہا ہوں میں
 ہوا ہوں جب سے پیدا، جان پانی کو ترستی ہے مرے سینے کے اوپر آگ کی بدلی برستی ہے
 میں سمجھا تھا مقدّر ہو چکی ہے دھوپ کی سختی مری قسمت میں لکھی جا چکی ہے سوختہ سختی
 بنایا رفتہ رفتہ سخت میں نے بھی مزاج اپنا لیا ہر آبلہ پا سے زبردستی خراج اپنا
 خبر کیا تھی الہی ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ تیرا ساقی کوثر یہاں تشریف لائے گا
 اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتی مرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہو جاتی
 خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آکے ٹھہریں گے شہید آرام فرمائیں گے، غازی آکے ٹھہریں گے
 خبر کیا تھی ملے گی یہ سعادت میرے دامن کو بنایا جائے گا فرش عبادت میرے دامن کو
 خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا چھپا کر ایک گوشہ میں مصفا حوض بھر رکھتا
 وہ پانی ان مقدس مہمانوں کو پلا دیتا میں اپنی تشنگی دیدارِ حضرت سے نبھا لیتا
 مرے سر پر سے گذرا نوح کے طوفان کا پانی تائف ہے کہ مجھ سے ہوگئی اس وقت نادانی
 اگر رکھتا میں اس پانی کی تھوڑی سی خبر داری تو ہو جاتا مری آنکھوں سے چشموں کی طرح جاری
 یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے مجاہد بھی وضو کرتے، نہاتے، غسل فرماتے
 حضورِ ساقی کوثر مری کچھ لاج رہ جاتی مری عزت مری شرمِ عقیدت آج رہ جاتی
 ترے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے الہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے

اگر اب مرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی تو مجھ کو رحمت للعالمین سے شرم آئے گی
 جلیل الشان مہمانوں کا صدقہ مہربانی کر عطا بہر وضو ان کے لیے تھوڑا سا پانی کر
 برائے چند ساعت ابر باران بھیج دے یارب بہاراں بھیج دے یارب بہاراں بھیج دے یارب

(حفیظ جالندھری)

سوالات

1. صحرائے اپنے مقدر کی شکایت کن لفظوں میں کی ہے تفصیل سے لکھیے؟
2. یہاں ساقی کوثر سے کیا مراد ہے؟
3. صحرا یہ بات کیوں کہہ رہا ہے کہ ”میرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہو جاتی“؟
4. صحرا اپنی کس نادانی پر تناسف کا اظہار کر رہا ہے اور کیوں؟
5. آتش نہ برسانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟
6. آخر میں شاعر کس بات کی دعا کر رہا ہے؟